بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

دنیامیں ایثار وہمدردی کی مِثال ماں سے دی جاسکتی ہے کہ بچے کی تربیت وپَرورش میں وہ سب کچھ کر گذرتی ہے جوامکانِ بشریٰ(جہاں تک انسان سے ہوسکتا)ہے یہا
تک کہ سردیوں کی راتوں میں خود سردی کی لَپیٹ میں ہوتی ہے لیکن بچے کے لئے معمولی پریشانی بھی برداشت نہیں کرتی۔ فقیر کوایثار وہمدردی کا عملی طور پرا
وقت احساس ہواجب مِنیٰ شریف کی سخت دھوپ میں آسمان کے سایہ تلے بیٹھے تھے ،پیاس سے بُراحال ہورہاتھا،کسی صاحبِ دل نے مشْرُوب پیش کیا۔پیاس
شدَّت سے آنکھیں بند کرکے پی رہاتھاکہ میرے پاس میرا حقیقی بڑابھائی الحاج جام الٰہی بخش صاحب بیٹھاتھاوہ مجھ سے پیاس میں زیادہ جاں بَلَب(مرنے کے قر
ہونے کی حالت میں) تھا۔ فقیر نے فوراًہی اپنی پیاس کازور توڑ کر بھائی صاحب کو مشرِوب دے دیااس سے مجھے روحانی خوشی ہوئی اوراسی جذبہ پر رسالہ ،"ا
وہمدردی" لکھاکہ شاید کسی اسلامی بھائی کواس پاکیزہ فعل پر عمل کی توفیق ہو۔ورنہ دورِحاضرہ میں حال یوں ہے کہ باپ مررہاہے توبیٹا تماشہ دیکھ رہاہے بھ
کوبھائی کی جان ومال کااحساس نہیں۔ نَفْسِی نَفْسِی (خودغرضی)کاسَماں ہے۔اللہ سے دعاہے کہ فقیر کی مَسَاعِی(کاوشیں) قبول فرماکر میرے لئے اورناشرین کے
مشعل راہ ہدایت بنائے۔(آمین)

بجاہ حبیبہ سید المرسلین صلی اللّٰہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ اجمعین

قرآن مجید: اللہ تعالٰی نے قرآن مجید میں ایثار وہمدردی(دوسروں کے مفاد کواپنے مفاد پر ترجیح دینے)والوں کی بہت بڑی تعریف فرمائی ہے۔

وَیُؤْثِرُوْنَ عَلٰۤی اَنْفُسِہِمْ وَلَوْ کَانَ بِہِمْ خَصَاصَۃٌ (پ28، الحشر:9)

ترجمہ: اوراپنی جانوں پر ترجیح دیتے ہیں اگرچہ انہیں شدید محتاجی ہو۔

شان نزول: حدیث شریف میں ہے رسول کریم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی خدمت میں ایک بھوکا شخص آیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اَزواجِ مُطَہَّرات کے حُجروں پر معلوم کر
کیا کھانے کی کوئی چیز ہے ؟معلوم ہواکہ کسی بی بی صاحبہ کے یہاں کچھ بھی نہیں ہے۔تب حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اَصحاب سے فرمایاجواس شخص کو مہمان بنائے ا
تعالٰی اس پر رحمت فرمائے۔ حضرت ابوطلحہ انصاری رضی اللہ عنہ کھڑے ہوگئے اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اِجازت لے کر مہمان کواپنے گھر لے گئے۔جاکر بی بی۔
دَرْیافْت(معلوم) کیاکچھ ہے ؟انہوں نے کہاکچھ نہیں صرف بچوں کے لئے تھوڑاسا کھانار کھاہے۔حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ نے فرمایابچوں کو بہلا کر سُلا
اورجب مہمان کھاناکھانے بیٹھے توچراغ درست کرنے اُٹھواورچراغ کو بُجھادوتاکہ وہ اچھی طرح کھالے یہ اس لیے تجویز کی کہ مہمان یہ نہ جان سکے
اَہلِ خانہ(گھر والے)اس کے ساتھ نہیں کھارہے کیونکہ اس کو یہ معلوم ہوگا تووہ اِصرار(ضد) کرے گااور کھاناکم ہے بھوکارہ جائے گااس طرح مہمان کو کھ
اورخوداُن صاحبوں نے بھوکے رات گزاری۔جب صبح ہوئی اورسیدِ عالم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی خدمت میں حاضر ہوئے توحضورِاقدس (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایارات فلاں فلا
لوگوں میں عجیب معاملہ پیش آیااللہ تعالٰی ان سے بہت راضی ہے۔[1]

---

[1] (صحیح مسلم، کتاب الأشربة، باب إکرام الضیف وفضل إیثارہ، 1624/3، الحدیث 2054، دار إحیاء التراث العربي بیروت/ مرقاۃ المفاتیح، باب جامع الناقہ
4029/9، الحدیث 6261،: دار الفکر، بیروت–لبنان، الطبعة: الأولی، 1422ھ 2002م)

سیدنا ابوطلحہ رضی اللہ عنہ: یہ وہی حضرت ابو طلحہ رضی اللہ عنہ ہیں جن کے متعلق " لَنۡ تَنَالُوا الۡبِرَّ "[2] آیت اتری تو آپ رضی اللہ

حضور سرورِ عالم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی خدمت میں حاضر ہوئے عرض کیا کہ مجھے اپنا باغ بیر حاء(دور نبوی میں مدینہ منورہ کے سات مشہور کنوؤں میں سے ایک کنواں ہے۔)سب سے ز

محبوب ہے آپ کے باغات بھی تھے لیکن یہی باغ زیادہ مَرْغُوْب(پسندیدہ) تھا۔ عرض کی اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ محبوب مال اللہ کے راستہ میں خرچ کروا

لئے وہ اللہ عزوجل کے راستہ میں دیتا ہوں۔ آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) جیسا مناسب سمجھیں اس کے موَافِق (مطابق)اس کو خرچ فرمادیں۔

حضور (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے بہت زیادہ مُسَرَّتْ(خوشی) کا اِظہار فرمایا۔ اور فرمایا کہ بہت ہی عمدہ مال ہے۔ یہ مناسب سمجھتا ہوں کہ اس کو اپنے اَہلِ قرابت (رشتہ داروں) پ

تقسیم کردو۔ ابو طلحہ رضی اللہ عنہ نے اس کو اپنے رشتہ داروں میں تقسیم فرمادیا۔[3] (درمنثور للسیوطی)

فائدہ: بیرِ حاء مدینہ طیبہ میں مسجد نبوی کے بِالْمُقابِل تھا(لیکن آج کل توسیع کی وجہ سے مسجد نبوی میں)۔ روح البیان میں ہے کہ :اس سے ثابت ہوا کہ بہتر مال ا

عزیزوں اور رشتہ داروں میں خرچ کرنا اَفضل ہے۔[4]

درسِ ایثار از سرکارِ رحمت مدار ﷺ: حضورِ اقدس (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے چچا حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ غزوۂ اُحد میں شہید ہوگئے اور بیدرد کافروں

آپ رضی اللہ عنہ کے کان ناک وغیرہ اَعضا کاٹ دیئے اور سینہ چیر کر دل نکالا اور طرح طرح کے ظُلم کئے۔ لڑائی کے ختم پر حضور اکرم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) اور دوسر

صحابہ رضی اللہ عنہم شہیدوں کی نعشیں (لاشیں) تلاش فرما کر ان کی تَجْہِیز و تَکْفِین (مردے کے کفن دفن) کا اِنتظام فرما رہے تھے۔ حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کو ا

حالت میں دیکھا نہایت صدمہ ہوا اور ایک چادر سے ان کو ڈھانک دیا۔ اتنے میں حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کی حقیقی بہن حضرت صَفیہ رضی اللہ عنہا تشری

لائیں کہ اپنے بھائی کی حالت کو دیکھیں حضور (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے اِس خیال سے کہ آخر عورت ہیں ایسے ظلموں کے دیکھنے کا تَحَمُّل (برداشت) مشکل ہوگا۔ ان کے صاحبز

حضرت زبیر رضی اللہ عنہ سے اِرشاد فرمایا کہ اپنی والدہ کو دیکھنے سے منع کرو۔ انہوں نے والدہ سے عرض کیا کہ حضور (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے دیکھنے کو منع فرمادیا۔ انہو

نے کہا کہ میں نے یہ سنا ہے کہ میرے بھائی کے ناک کان وغیرہ کاٹ دیئے گئے۔ اللہ کے راستے میں یہ کون سی بڑی بات ہے ہم اس پر راضی ہیں۔ میں اللہ

ثواب کی امید رکھتی ہوں اور ان شاءاللہ صبر کروں گی۔ حضرت زبیر رضی اللہ عنہ نے حضور (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) سے جاکر اس کلام کو ذکر کیا تو حضور (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے اس جواب

سُن کر دیکھنے کی اجازت عطا فرمادی۔ آکر دیکھا، إِنَّا لِلّٰهِ پڑھی اور ان کے لئے اِسْتِغْفار اور دعا کی۔[5] ایک روایت میں ہے کہ غزوۂ اُحد میں جہاں نعشیں رکھی ہو

تھیں ایک عورت تیزی سے آرہی تھی۔ حضور (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا دیکھو، عورت کو روکو، حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: میں نے پہچان لیا کہ میری والدہ

۔ میں جلدی سے روکنے کے لئے بڑھا مگر وہ قَوی (طاقتور) تھیں ایک گھونسا مجھے مارا اور کہا پیچھے ہٹ، میں نے کہا حضور (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے منع فرمایا ہے تو فوراً کھڑی ہو گئ

۔ اس کے بعد دو کپڑے نکالے اور فرمایا کہ : میں اپنے بھائی کے کفن کے لئے لائی تھی کہ میں ان کے اِنتقال کی خبر سُن چکی تھی۔ اُن کپڑوں میں ان کو کفنا دینا۔

لوگ وہ کپڑے لے کر حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کو کفنانے لگے کہ برابر میں ایک انصاری شہید پڑے ہوئے تھے جن کا نام حضرت سُہیل (رضی اللہ عنہ) تھا۔

---

[2] سورۃ آل عمران : 92 ترجمہ: تم ہرگز بھلائی کو نہ پہنچو گے۔

[3] (الدر المنثور، سورۃ آل عمران تحت آیت 92، 259/2، دار الفکر بیروت)

[4] (روح البیان، سورۃ آل عمران تحت آیت 92، 63/2، دار الفکر بیروت)

[5] (الدر المنثور، سورۃ آل عمران تحت آیت 92، 259/2، دار الفکر بیروت)

Commented [N1]: نوری

کا بھی کفارے ایسا ہی حال کر ر کھا تھا جیسا کہ حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کا تھا۔ ہمیں اس بات سے شرم آئی کہ حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کو دو کپڑوں میں کفن
جائے اور انصاری کے پاس ایک بھی نہ ہو۔ اس لئے ہم نے دونوں کے لئے ایک ایک کپڑا تجویز کر دیا مگر ایک کپڑا ان میں بڑا تھا اور دوسرا چھوٹا تو ہم نے قُرعَہ ڈ
کہ قُرعَہ میں جو کپڑا جن کے حصہ میں آجائے گا وہ ان کے کفن میں لگا دیا جائے۔ قرعہ میں بڑا کپڑا حضرت سہیل رضی اللہ عنہ کے حصہ میں آیا اور چھوٹا کپڑا حضر
حمزہ رضی اللہ عنہ کے حصہ میں آیا جو ان کے قدم سے بھی کم تھا اگر سر کو ڈھانکا جاتا تو پاؤں کُھل جاتے اور پاؤں کی طرف کیا جاتا تو سر کھل جاتا۔ حضور اکر
(صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے ارشاد فرمایا کہ سر کو کپڑے سے ڈھانک دو اور پاؤں پر پتے وغیرہ ڈال دو۔[6] ابنِ سعد رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ حضرت صفیہ رضی اللہ ع
جب دو کپڑے لے کر حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کی نَعْش (لاش) پر پہنچیں تو ان کے قریب ہی ایک اَنصاری اسی حال میں پڑے ہوئے تھے تو ایک ایک کپڑے م
دونوں کو کفن دیا گیا۔ حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کا کفن چھوٹا تھا۔[7]

حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کا ایثار: جب حضور اکرم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے شام کی طرف لشکر کشی کا مُصَمَّمْ ارادہ (پختہ ارادہ) فرما لیا تو صح
کرام کو قبَائِل (قبیلوں) کی طرف لشکر جمع کرنے کے لئے بھیجا اور ہر اس شخص کو جو جس قبیلہ کی طرف تھا اسے اسی قبیلہ کی طرف لشکر اور ساز و سامان جمع کر
کے لئے بھیجا۔ اور صحابہ وسپاہ کی تیاری اور فقراء و مساکین پر تَصَدُّق واِنْفَاق (صدقہ کرنا، دولت نچھاور کرنا) اور راہِ خدا میں اِعانت وجہاد (امداد و جہاد) کی ترغی
وتحرِیص (رغبت) فرمائی۔ ہر شخص نے اپنی ہِمَّت وطاقت اور حوصلہ واِمکان کی حد تک لشکر کی تیاری میں اِمداد کی اور مال و مَتاع (روپیہ پیسہ) خرچ کیا۔ چنانچہ حضر
ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ اپنا تمام مال واسباب اٹھا کر لے آئے اور جو کچھ تھا راہِ خدا میں صرف (خرچ) کر دیا اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ اپنا آدھا مال
بھی ان کی ملکیّت میں تھا جدا کر کے لے آئے۔[8] حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ سے مروی ہے وہ فرماتے ہیں کہ: جب رسولِ خدا (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے لشکرِ تبوک
تیاری کا شوق دلایا تو میں نے اپنے دل میں خیال کیا کہ آج تو میں حضرت ابو بکر صدیق (رضی اللہ عنہ) پر سَبْقَت (بازی) لے جاؤں گا آج تو میرے پاس بہت مال
جس میں سے آدھے مال کو حضور اکرم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی خدمت میں لے آیا۔ حضور اکرم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے دریافت فرمایا "اپنے اہل وعیال کے لئے کیا چھوڑا ہے؟" میں
عرض کیا "اتنی مقدار میں ان کے لئے چھوڑ دیا ہے" اس کے بعد حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ آئے اور جتنا کچھ مال ان کے پاس تھا سب لے آئے۔
سے بھی حضور اکرم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے پوچھا "اپنے اِہل وعیال (گھر والوں) کے لئے کتنا ذخیرہ چھوڑا ہے؟" انہوں نے کہا "أبقيت لهم الله ورسوله" میں نے ا
اور اس کے رسول کو چھوڑا ہے۔" اس پر حضور اکرم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: "ما بينكما ما بين كلاميكما"[9] تمہارے درمیان میرا فرق مراتب تَفَاوُت (ا
دوسرے سے فاصلہ) اتنا ہی ہے جتنا تمہاری ان دو باتوں کے درمیان" پھر میں نے حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ سے عرض کیا "میں آپ سے کسی بات میں سَبْقَت نہ
کر سکتا۔"[10]

---

[6] (مسند احمد، باب مسند الزبير بن العوام رضى الله عنه، 2/195 الى 196، : دار الحديث – القاهرة، الطبعة: الأولى، 1416 هـ 1995 م)
[7] (طبقات الكبرى، باب الحسن بن ابى الحسن، 7/114، دار الكتب العلمية بيروت، الطبعة: الأولى، 1410 هـ 1990 م)
[8] (سنن ابى داود كتاب الزكاة، بَابُ فى الرخصة فى ذالک، 2/129 الحديث 1678، المكتبة العصرية، صيدا بيروت)
[9] (روح البيان، سورة التوبة تحت آيت 79، 3/472، دار الفكر بيروت)
[10] (سنن الترمذى، ابواب المناقب، بَابُ مَنَاقِبِ أَبِي بَكْرٍ الصِّدِّيقِ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ وَاسْمُهُ عَبْدُ اللَّهِ بْنُ عُثْمَانَ وَلَقَبُهُ عَتِيقٌ، 5/614 الحديث 3675، شركة مكتبة ومطب
مصطفى البابي الحلبي مصر، الطبعة: الثانية، 1395 هـ 1975 م)

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا اِیثار: امیر المؤمنین حضرت عمر رضی اللہ عنہ اپنے خِلافت کے زمانہ میں بسااوقات (کبھی کبھار) رات چوکیداری کے طور پر شہر کی حفاظت بھی فرمایا کرتے تھے۔ایک مرتبہ اسی حالت میں ایک میدان میں گذر ہوا۔دیکھا کہ ایک خیمہ بالوں کا بنا ہوا لگا ہوا ہے پہلے وہاں نہیں دیکھا تھا اس کے قریب پہنچے تو دیکھا کہ ایک صاحِب وہاں بیٹھے ہیں اور خیمہ سے کچھ کَراہنے (کسی مرض یا زخم کی شدّت سے درد) کی آواز آرہی ہے۔سا کر کے ان صاحب کے پاس بیٹھ گئے اور دریافت کیا کہ تم کون ہو؟ انہوں نے کہا ایک مسافر ہوں جنگل کا رہنے والا ہوں۔امیر المومنین کے سامنے کچھ ا ضرورت پیش کر کے مدد چاہنے کے واسطے آیا ہوں۔دریافت فرمایا کہ یہ خیمہ میں سے آواز کیسی آرہی ہے۔اُن صاحب نے کہا جاؤ میاں اپنا کام کرو۔آپ۔ اِصرار فرمایا کہ نہیں بتادو کچھ تکلیف کی آواز ہے۔ان صاحب نے کہا کہ وِلادت (پیدائش) کا وقت قریب ہے،دُردِزہ (وہ تکلیف جو حاملہ کو بچے کی پیدائش سے کچھ دیر پہلے شر ہوتی ہے) ہو رہا ہے آپ نے دریافت فرمایا کہ کوئی دوسری عورت بھی پاس ہے انہوں نے کہا کوئی نہیں،آپ وہاں سے اٹھے اور مکان تشریف لے گئے اور ا بیوی حضرت اُمِّ کلثوم رضی اللہ عنہا سے فرمایا کہ ایک بڑے ثواب کی چیز مُقَدَّر (جو چیز تقدیر میں لکھی ہوئی ہو) سے تمہارے لئے آئی ہے۔انہوں نے پوچھا ہے۔آپ نے فرمایا ایک گاؤں کی رہنے والی بیچاری تنہا ہے اس کو دُردِزہ ہو رہا ہے۔انہوں نے ارشاد فرمایا کہ : ہاں ہاں تمہاری صلاح (رائے) ہو تو میں ہوں۔اور کیوں نہ تیار ہوتیں کہ یہ بھی آخر حضرت سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کی ہی صاحبزادی تھیں۔حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ ولادت کے وا جن چیزوں کی ضرورت پڑتی ہو، تیل، گُوْدَڑ (کپڑے کے ٹکڑے) وغیرہ لے لو اور ایک ہانڈی (برتن) اور کچھ گھی اور دانے وغیرہ بھی ساتھ لے لو۔وہ لے کر چلیں

حضرت عمر رضی اللہ عنہ خود پیچھے پیچھے ہو لئے۔وہاں پہنچ کر اُمِ کلثور رضی اللہ عنہا تو خیمہ میں چلی گئیں اور آپ رضی اللہ عنہ نے آگ جلا کر اس ہانڈ میں دانے اُبالے گھی ڈالا اتنے میں ولادت سے فراغت ہو گئی۔اندر سے حضرت اُمِ کلثوم رضی اللہ عنہا نے آواز دے کر عرض کیا۔امیر المومنین اپنے دوست لڑکا پیدا ہونے کی بَشارت (خوشخبری) دیجئے۔امیر المومنین کا لفظ جب ان صاحب کے کان میں پڑا تو وہ بڑے گھبرائے۔آپ نے فرمایا گھبرانے کی بات نہیں۔ ہانڈی خیمہ کے پاس رکھ دی کہ اس عورت کو بھی کچھ کھلا دیں۔حضرت اِمِ کلثوم رضی اللہ عنہا نے اس کو کھلایا۔اس کے بعد ہانڈی باہر دیدی۔حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے بَدّو (دیہاتی) سے کہا کہ لو تم بھی کھاؤ۔رات بھر تمہاری جاگنے میں گذر گئی۔اس کے بعد اہلیہ کو ساتھ لے کر گھر تشریف لے آئے اور ان صاحب۔ فرمادیا کہ کل آنا تمہارے لئے اِنتظام کر دیا جائے گا۔[11]

تبصرۂ اویسی غفرلہٗ: ہمارے دور کے وزیر اعظم تو در کنار ایک معمولی ممبر (Member) بھی ایسا نہیں نظر آتا جو کسی اَجنبی مسافر تو بڑی بات ہے ا۔ ہمسایہ غریب (غریب پڑوسی) یا اپنا کوئی عزیز ہو اس کے لئے ایسی ہمدردی اور اِیثار کر دکھلائے۔امیر المومنین رضی اللہ عنہ کی شخصیت اپنے مقام و مرتبہ پر سبحان ا ۔یہ اُمِ کلثوم رضی اللہ عنہا سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا و سیدنا علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی جگر گوشہ ہیں کہ ایک معمولی اجنبی مسافر کے لئے جنگل میں نہ صرف اتنا کارنامہ سرانجام دے رہی ہیں بلکہ دردزہ کی درد کی ماری کے لئے اتنے آرام و سکون کے اَسباب کہ کھانا پکا کر ساتھ لائی ہیں۔

حضرت عثمان غنی رضی اللّٰہ عنہ کا اِیثار: غزوۂ تبوک (رسول خدا ﷺ کے غزوات میں سے آخری غزوہ ہے۔) کے موقعہ پر آپ حضور (ﷺ) کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کی یہ دو سو اُونٹ جن پر پالان[12]، پوشِش (اوپر ڈالنے کا کپڑا) اور چادر وغیرہ پڑے ہوئے ہیں ہر طرح مکمل ہیں

---

[11] (التبصرة لابن الجوزی باب المجلس التاسع والعشرون ، 1 / 427 الی 428 دار الکتب العلمیة، بیروت – لبنان ، الطبعة: الأولی، 1406 ھ 1986 م)

[12] (وہ کپڑا جو اونٹ یا گدھے کی کمر اور پیٹھ کو بوجھ کی رگڑ سے حفاظت کے واسطے پشت پر ڈال دیتے ہیں۔)

دوسواوقیہ[13](چاندی)، پیس خدمت ہیں۔ان سے سلر لی ضروریات عمل فرمایئے۔ایک روایت میں ہے کہ تین سواونٹ چہار بستہ عمل اور ایک مثقال(طلائی دینار کا وزن ایک مثقال ہوتا ہے، جو25۔4 گرام ہوتا ہے۔)سونا لائے اور حضوراکرم(صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے آگے ڈال دیا۔ حضوراکرم(صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا:

اَللّٰهُمَّ ارْضَ عَنْ عُثْمَانَ ، فَإِنِّي عَنْهُ رَاضٍ[14]یعنی اے خدا عثمان سے راضی ہو بلاشبہ میں تو ان سے راضی ہو گیا۔

اربابِ سیر(مؤرِّخین) کہتے ہیں کہ غزوۂ تبوک میں تیس ہزار(۳۰۰۰۰) کا لشکرِ اسلام تھا اس میں سے دو تہائی لشکر کا سامان حضرت عثمان بن عفّان رضی اللہ عنہ نے فَراہم کیا تھا اور **من جهز جيش العسرة فله الجنة** (جو جیش عسرت کی تیاری میں سامان فراہم کرے اس کے لئے جنت ہے)کی بشارت سے مشرف ہو۔[15]نیز مروی ہے کہ حضوراکرم(صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا"اے خدا قیامت کے دن عثمان سے حساب اٹھادے۔[16]"**مواہب لدنیه** میں قتادہ سے مروی ہے حضرت عثمان(رضی اللہ عنہ) نے جیشِ عُسرت(یعنی غزوۂ تبوک) میں ہزار اونٹ(۱۰۰۰) اور سات سو(۷۰۰) گھوڑے سواری کے دیئے اور عبدالرحمن بن سمرہ سے مروی ہے کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ ایک ہزار(۱۰۰۰) دینار اپنی آستین میں لائے جس وقت کہ جَیشِ عُسرَت کی تیاری کی جارہی تھی اُنہوں نے وہ سب حضور(صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے پہلو میں اُلٹ دیئے۔ پھر میں نے دیکھا کہ رسولِ خدا(صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) ان دیناروں کو غور سے مُلاحظہ فرمارہے تھے اور فرمایا" عثمان آج کے بعد جو کرے انہیں نقصان نہ کرے گا"۔[17]ایک روایت میں آیا ہے: "غَفَرَ اللّٰهُ لَكَ يَا عُثْمَانُ مَا أَسْرَرْتَ وَمَا أَعْلَنْتَ"

یعنی اللہ تعالیٰ نے اے عثمان تمہیں بخش دیا وہ سب جو ظاہر تم سے ہو اور جو چھپا کر تم سے ہو۔[18]

اور حضوراکرم(صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کا توجہ اور اِلتِفاتُ(محبت) سے ملاحظہ فرمانا حضرت عثمان رضی اللہ عنہ پر عَیاں(ظاہر) کرنے کے لئے تھا کہ جو کچھ وہ لائے بہت لائے تاکہ اس قبولیت سے خوشی و مسرَّت محسوس کریں۔ایک روایت میں ہے کہ دس ہزار(۱۰۰۰۰) دینار لائے۔[19]اور حضوراکرم(صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کا یہ فرمانا کہ "اس کے بعد کچھ کریں کچھ نقصان نہ دے گا"۔اس میں عفُو و دَر گزر کی بَشارت(خوشخبری) ہے کہ جو بھی گناہ و غلطی کی قسم میں سے صَادِر ہو وہ سب معاف ہے۔ یہ مضمون اِرشاد کے موافِق ہے جو اہلِ بدر کے لئے فرمایا: "لَعَلَّ اللّٰهَ عزَّ وجلَّ اطَّلَعَ عَلَى أَهْلِ بَدْرٍ فَقَالَ: اعْمَلُوا مَا شِئْتُمْ"[20]

یعنی اللہ تعالیٰ اہلِ بدر کو خبردار کرتے ہوئے فرماتا ہے کہ جو بھی عمل تم سے(از قسم تقصیر صادر ہوں) میں نے تمہیں معاف فرمادیا ہے۔

ایثارِ اهل بیت رضی اللّٰه عنهم: حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہ سے مروہ ہے کہ یہ آیت حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ اور حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا اور ان کی کنیز فضّہ کے حق میں نازل ہوئی۔ حسنین کریمین رضی اللہ عنہما بیمار ہوئے ان حضرات کو حضور سرورِ عالم(صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا کہ: اگر

---

13)(مشهور وزن ہے جس کی جمع اواق ہے جو اکثر عرب اور اسلامی اصطلاحات میں استعمال ہوتا ہے۔ فقہا کے نزدیک ایک اوقیہ 40 درہم کا ہوتا ہے)

14)(روح البیان، سورة التوبة تحت آیت 79، 472/3، دار الفكر بيروت)

15)(صحيح البخاری، كتاب الوصايا، باب إذا وقف أرضا أو بئرا، واشترط لنفسه مثل دلاء المسلمين، 13/4، الحديث 2778، دار طوق النجاة، الطبعة: الأولى، 1422ھ)

16)(الرياض النضرة في مناقب العشرة، الفصل السادس فی خصاصه 79، 31/3، دار الكتب العلمية)

17)(مواهب اللدنية، باب غزوة تبوک، ، 419/1، المكتبة التوفيقية، القاهرة مصر)

18)(مواهب اللدنية، باب غزوة تبوک، ، 420/1، المكتبة التوفيقية، القاهرة مصر)

19)(مواهب اللدنية، باب غزوة تبوک، ، 420/1، المكتبة التوفيقية، القاهرة مصر)

20)(صحيح البخاری، كتاب الجهاد والسير، باب إذا اضطر الرجل إلى النظر، 76/4، الحديث 3081، دار طوق النجاة، الطبعة: الأولى، 1422ھ)

مالو لوصاحبزادے شفایاب ہو جائیں گے۔ان حضرات نے ان کی صحت پر تین روزوں کی نذر مانی اللہ تعالیٰ کے تقرّب اور اس کی رضا جوئی(اللہ کی مرضی پر چلنے کی آر
اور صاحبزادوں کی صحت وشکر میں۔اللہ تعالیٰ نے شہزادگان کو صحت دی۔نذر کی وفا(وعدہ پورا کرنے)کا وقت آیا سب صاحبوں نے روزے رکھے۔حضرت
مرتضیٰ رضی اللہ عنہ ایک یہودی شمعون خیبری سے تین صَاع(صاع ایک پیمانہ ہے)جَو لائے۔[21] بہر حال خاتونِ جنت نے ایک صاع ایک دن پکایا جب اِفطا
وقت آیا اور روٹیاں سامنے رکھیں تو ایک سائِل آیا عرض کی:اے محمد(ﷺ) کے گھرانے والو! میں ایک مِسکین مسلمان بھوکا ہوں مجھے طعام(کھانا)کھلاؤ اللہ تع
تمہیں جنت کے دستر خوان عطا فرمائے۔چونکہ بی بی فاطمہ رضی اللہ عنہا نے پانچ ٹکڑے ہر ایک کے لئے علیٰحدہ پکا کر ہر ایک کے آگے رکھا تھا اسی لئے سب۔
اپنا اپنا حصّہ اٹھا کر مسکین کو دے دیا۔[22] مروی ہے کہ جب مسکین کی آواز حضرت علی رضی اللہ عنہ کے کان مبارک میں گونجی تو

بی بی فاطمہ رضی اللہ عنہا کی طرف متوجہ ہو کر فرمایا:

فاطم ذات المجد واليقين يا بنت خير الناس أجمعين

اما ترين البائس المسكين قد قام بالباب له حنين

يشكوا لى اللّٰه ويستكين يشكو إلينا جائعا حزين

ترجمہ: اے فاطمہ بُزرُگی(شرافت)اور یقین والی۔اے تمام لوگوں سے بہتر شخصیت(ﷺ) کی صاحبزادی۔کیا کمزور مسکین کو نہیں دیکھ رہی ہو جو ہمار۔
دروازے پر کھڑا زاریاں(گریہ وبکا،آہ وفریاد)کر رہا ہے۔اللہ تعالیٰ کے ہاں شکایت اور عاجزی کر رہا ہے۔جو غمگیں ہو کر ہمیں بھوک کا شکوہ سنا رہا ہے۔

بی بی فاطمہ رضی اللہ عنہا نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے جواب میں فرمایا:

أمرك يا ابن عم سمع طاعة ما بي من لؤم ولا ضراعه

أرجو إذا أشبعت ذا مجاعه ألحق بالأخيار والجماعه

وأدخل الخلد ولى شفاعه

ترجمہ: تیرا حکم اے چچازاد سر آنکھوں پر مجھے اس سے نہ مَلامَت(شرمندگی)ہے نہ زاری۔جب تم بھوکے کا پیٹ بھروگے تو میں حق کی اُمید رکھتی ہوں ا۔
اخبار(حدیثوں)میں ہے اور سب کا اِتفاق ہے۔اور بَہشت(جنت)میں داخل ہوگی اور مجھے شَفاعت(اباﷺ)کی نصیب ہوگی۔

تمام بعام اٹھا کر مسکین کو دے دیا اور خود بھوک پر صبر کیا اور رات بسر کی اور صرف پانی پر گزارا کیا اور دن کو پھر بی بی فاطمہ رضی اللہ عنہا نے دو
صاع پیس کر پکایا اور افطار کے وقت تمام جمع ہوئے بعام سامنے تھا ابھی افطار کرنے والے ہی تھے کہ باہر سے کسی نے آواز دی کہ السلام علیکم اے حضرت

---

[21] (صاع چار مد کا ہے ہر مد رطل اور تہائی رطل کا ہے۔حضرت داؤدی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے فرمایا اس کا میعار مرد کے چار چُلّوں سے مختلف نہیں لیکن مرد نہ تو بڑی ہتھیلی والا ہو نہ چھوٹی کا،درمیانہ ہو اس لئے کہ ہر جگہ نبی پاک (ﷺ) کا صاع نہیں ملتا۔)

[22] (التفسير المظهری ، سورة الانسان تحت آیت 9، 155/10، مكتبة الرشدية –الباكستان، الطبعة: 1412 ھ)

(ﷺ) کے گھرانے والو! میں مہاجرین کا ایک یتیم ہوں میرا باپ یومَ العقبہ[23] میں شہید ہوا۔ براہِ کرم مجھے طعام کھلاؤ اللہ تمہیں جنت کے دستر خو عطافرمائے۔ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے جب یتیم کی آواز سنی تو حضرت خاتون جنت فاطمہ رضی اللہ عنہا کی طرف متوجہ ہو کر فرمایا۔

انی لأعطیه ولا أبالی واو ثر الله علی عیالی

امسوا جیاعا وهمو أشبالی أصغرهم یقتل فی القتال

ترجمہ: میں اپنا طعام یتیم کو دیتا ہوں اور اس کی مجھے پرواہ نہیں اور میں اپنے بچوں پر یتیم کو ترجیح دیتا ہوں اور وہ بھوکے رہیں لیکن طعام اس بچے کو دوں گا جس باپ جنگ میں شہید ہوا۔

چنانچہ تمام صاحبان نے جو تمام طعام آگے رکھا تھا یتیم کو دے دیا اور خود بھوکے سو گئے۔ تیسرے روز حسبِ سابِق بی بی فاطمہ رضی اللہ عنہا نے ا صاع جو کا آٹا پیس کر پکایا۔ شام کو اِفطار کے لئے تمام اکھٹے ہوئے، طعام سامنے رکھا ابھی افطار کرنے والے ہی تھے تو باہر سے آواز آئی السلام علیکم اے اہلِ بیتِ نبوت! میں قیدی ہوں مجھے طعام کھلاؤ اللہ تعالیٰ تمہیں جنت کے دستر خوان سے کھلائے۔ سب نے اپنا طعام اٹھا کر قیدی کو دے دیا۔

بھوک سے نڈھال کنبہ: چوتھے روز شہزادے حسنین رضی اللہ عنہما ہاتھ میں ہاتھ ملا کر بارگاہِ حبیبِ خدا (ﷺ) میں پہنچے تو آپ نے دیکھا شہزادے بھوک سے چوزہ (کمزوری کی وجہ سے) کی طرح ہیں اور کانپ رہے ہیں۔ شہزادے یہ کیا ہے؟ شہزادوں نے ماجرا (معاملہ) سنایا تو حضور پاک (ﷺ) اٹھ فاطمۃ الزہرا رضی اللہ عنہا کے گھر تشریف لائے۔ بی بی فاطمہ رضی اللہ عنہا کو دیکھا وہ محراب میں بیٹھی ہیں لیکن بھوک کی وجہ سے پیٹ پیٹھ سے لگ چکا اور آنکھیں دھنس گئی ہیں۔ آپ کو یہ معاملہ ناگوار (خلاف طبیعت) گذرا تو حضرت جبریل علیہ السلام آئے اور عرض کی اے مُحَمَّدِ عربی (ﷺ) اللہ تعالیٰ آ کو اہلِ بیت کے بارہ میں خُوشگوار فرمائے۔ لیجئے یہ سورۃ (هَلْ أَتَىٰ عَلَى الْإِنسَانِ) اور یہ انہیں پڑھ کر سنائیے۔[24]

تردید شیعہ:

۱) اس واقعہ سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ اَبْرَارُ (نیکوکار لوگ) صرف اہلِ بیت ہیں اور کوئی نہیں۔ کیونکہ قاعدہ تفسیر مسلمِ جانبین ہے کہ آیتِ خُصُوص عُمُوم کے مُن نہیں ہوتی فلہٰذا مورِدِ خاص ہے تو حکم عام ہے یعنی عموم لفظ کا اعتبار ہوتا ہے نہ کہ خُصوصی سبب کا اِسی لئے اس میں بحَسبِ اِشْتِرَاکِ عَمَل اہلِ بیت کے اور حضراتِ صحابہ واولیاء داخل ہیں۔

۲) راوی کے ضُعْف (کمزوری) سے قِصّہ ضَعیف[25] ہو جاتا ہے یہ بھی قصہ ایسا ہی ہے لیکن چونکہ علماءِ کرام میں یہ قصہ مشہور ہے اور کُتُب میں مَسْطُور (لکھا ہوا)۔ اس لئے اہلِ بیت کی فضیلت سے انکار نہیں لیکن عقیدہ کی بنیاد یا کوئی حکمِ شرعی اس سے مُسْتَنْبَط (اخذ) نہیں ہو گا۔[26]

---

[23] (یوم عقبہ سے مراد ہے عقبہ کے میدان میں تبلیغ کا دن، عقبہ پہاڑ کے راستہ کو کہتے)

[24] (روح البیان، سورۃ الانسان تحت آیت 10 الی 15، جلد 10 ص 268 الی 269، دار الفکر بیروت)

[25] علمِ حدیث میں اس سے مراد وہ حدیث ہے جس کے راویوں میں کوئی ایک یا زیادہ اشخاص نیک اخلاق کے مالک نہ ہوں یا ان کا حافظہ کمزور ہو۔

[26] (روح البیان، سورۃ الانسان تحت آیت 10 الی 15، 269/10، دار الفکر بیروت)

۳) حضرت حکیم تِرمِذی رحمۃاللہ علیہ (باوجودیکہ اہلِ بیت رضی اللہ عنہم کے عُشّاق سے ہیں وہ بھی) فرماتے ہیں: "هذا حديث مفصل لا يروح الا على احمق وجاهل
یہ حدیث موضوع منگھڑت ہے اسے رواج نہیں دے گا سوائے اَحمَق اور جاہِل کے اور ابنِ الجوزی رحمۃاللہ علیہ نے اسے موضوع[27] کہا ہے اور رِوایت سے ثابت کیا ہے کہ اس روایت کے موضوع ہونے میں ذرّہ برابر بھی شک نہیں۔[28]

تحقیق صاحبِ روح البیان: صاحبِ روح البیان قدس سرّہٗ نے فرمایا کہ صحت روایت کا تقاضا یوں ہو سکتا ہے کہ آیت مدنیہ ہو کیونکہ نبی پاک (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے غزوۂ اُحد کے بعد ہی بی بی فاطمہ رضی اللہ عنہا کا نکاح حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ کیا اور جُمہور مُفَسِّرین نے فرمایا کہ هَلْ أَتَىٰ عَلَى الْإِنْسَانِ[29] مکیہ ہے۔[30]

تحقیق سورۃ دھر مدنیہ ہونے کی: علامہ فناری رحمۃاللہ الباری نے سورۃ الفاتحہ کی تفسیر میں فرمایا اور بہت بڑے اکابر علماء سے نقل کیا کہ سورۃ هَلْ أَتَىٰ عَلَى الْإِنْسَانِ (الدھر) مدینہ پاک میں نازل ہوئی۔ ایسے ہی مجاہد و قتادہ رضی اللہ عنہما نے فرمایا سوائے ایک آیت کے وہ ہے:

وَلَا تُطِعْ مِنْهُمْ اٰثِمًا اَوْ كَفُوْرًا[31]

کہ یہ مکیہ ہے۔ ایسے ہی حضرت حسن و عکرمہ رضی اللہ عنہما اور الماوردی رحمۃاللہ علیہ نے فرمایا کہ یہ سورۃ مدنیہ ہے سوائے آیت فَاصْبِرْ لِحُكْمِ رَبِّكَ الآخر کے یہ مکیہ ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ قیدی کی حاضری مدینہ پاک میں ہو گی کیونکہ آیۃ قِتال کے بعد ہی قیدی کا سوال ثابت ہو سکتا ہے (کیونکہ قتال سے پہلے قیدی کہاں) اور سب کو معلوم ہے کہ جہاد کا حکم مدینہ پاک میں ہوا اور یہ بھی ہے آیاتِ مکیہ کو آیاتِ مدنیہ سے ملایا جاتا ہے اسی لئے ایسی سورۃ کے لئے تم کہہ سکتے ہو کہ وہ سورۃ مکیہ ہے یا وہ سورۃ مدنیہ ہے اور یہ بھی ظاہر ہے کہ اس سورۃ (دہر) کی آیات زیادہ مدنیہ ہیں اور اہلِ تفسیر کا قاعدہ ہے کہ جس سورۃ کی آیات جس طرح زائدہ ہوں اسی نام سے موسوم ہوتی ہیں اسی لئے یہ سورۃ مدنیہ ہونے کی حقدار ہے نہ کہ مکیہ کی۔

ایمان افروز فیصلہ: صاحبِ روح البیان رحمۃاللہ علیہ نے فرمایا: نحن لا نشك فى صحة القصة[32] (واللہ اعلم) یعنی ہم قصہ کی صحت (درست ہونے) میں شک نہیں کرتے۔

---

[27] (علمِ حدیث میں موضوع سے مراد وہ حدیث ہے جس کے بارے میں یقین کے ساتھ معلوم ہو جائے کہ وہ وضع کی ہوئی، جھوٹی اور بناوٹی ہے۔ اس کی جمع موضوعات ہے)

[28] (التفسیر المظهری، سورۃ الانسان تحت آیت 9، 155/10، مکتبة الرشدية –الباكستان، الطبعة: 1412 ھ)

[29] سورۃ الدھر: 1 هَلْ اَتٰى عَلَى الْاِنْسَانِ حِيْنٌ مِّنَ الدَّهْرِ لَمْ يَكُنْ شَيْـًٔا مَّذْكُوْرًا ترجمہ: بے شک آدمی پر ایک وقت وہ گزرا کہ کہیں اس کا نام بھی نہ تھا۔

[30] (روح البيان، سورۃ الانسان تحت آیت 10 الی 15، 269/10، دار الفكر بيروت)

[31] سورۃ الدھر: 24 فَاصْبِرْ لِحُكْمِ رَبِّكَ وَلَا تُطِعْ مِنْهُمْ اٰثِمًا اَوْ كَفُوْرًا ترجمہ: تو اپنے رب کے حکم پر ڈٹے رہو اور ان میں کسی گنہگار یا ناشکری کرنے والے کی بات نہ سنو۔

[32] (روح البيان، سورۃ الانسان تحت آیت 13، 269/10، دار الفكر بيروت)

تبصرۂ اویسی غفرلہ: قصہ صحیح ہے تو اس سے روافض اہلبیت کرام کی فضیلت سے خلافتِ بلا فصل یا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ پر فضیلت کا ثبوت پیش نہیں کر سکتے۔ کیونکہ اوّل کے لئے نَصّ قطعی ضروری دوسرے کے لئے جُزوِی فضیلت کو کُلّی فضیلت پر ترجیح کیوں؟

ابوذرغفاری کا ایثار: فاروقِ اعظم (رضی اللہ عنہ) کا دربارِ خلافت کھلا ہوا تھا۔ مُقَدَّمَات (مقدمے) پیش ہو رہے تھے۔

مظلوموں کی دادرسی (فریاد سُننے) کا سلسلہ جاری تھا کہ ناگہاں (اچانک) ایک خوبصورت نوجوان کو دو طاقتور آدمی پکڑے ہوئے لائے اور فَریاد (ظلم وزیادتی کی شکایت) کی۔

امیرالمومنین: اس ظالم سے ہمارا حق دلوایا جائے۔ یہ ہمارے بوڑھے باپ کا قاتل ہے۔

امیرُالمومنین نے خوبصورت نوجوان کی طرف اِشارہ کرتے ہوئے فرمایا "تم صفائی میں جو کچھ کہنا چاہتے ہو کہہ سکتے ہو"۔

نوجوان: میرا اونٹ ایک باغ میں چلا گیا۔ باغ کے بوڑھے مالک نے پتھر مار کر میرے اونٹ کی آنکھ پھوڑ دی۔ میں نے بھی طَیش (غصے) میں پتھر کھینچ کرا۔ مارا۔ میرا ارادہ اس کے قتل کا نہیں تھا۔ لیکن میری شَامَت (بد قسمتی) سے وہ مر گیا۔

امیرالمومنین: چونکہ تم نے اقبالِ جُرم (جرم قبول) کر لیا اس لئے اسلام کے قانونِ تعزیرات (سزاؤں کے قوانین) کے مطابق تم سے قِصاص (بدلہ) لیا جائے گا۔ خون کا بدلہ خون۔

نوجوان: اسلام کے قانون اور عدالت کے سامنے میں اپنا سَرِ تَسلیم خَم (فرمانبرداری) کرتا ہوں۔ لیکن اتنی بات عرض کرنے کی اجازت چاہتا ہوں کہ میرا ایک نابالغ بھائی ہے۔ باپ نے مرتے وقت اس کے حصہ کا سونا میرے حوالہ کیا تھا۔ میں نے اسے ایک ایسی جگہ دفن کر دیا ہے جس کا علم میرے سوا کسی کو نہیں۔ اگر میں سونا اس کے حوالے نہ کر سکا تو قیامت کے دن اپنے باپ کو منہ دکھانے کے قابل نہیں رہوں گا۔ اس لئے مجھے تین دن کی مُہلت دی جائے میں اپنے فرض سے سُبک دوش (ذِمہ داری سے فارغ) ہو کر واپس آجاؤں تو مجھ پر قصاص جاری کیا جائے۔

امیر المومنین نے تھوڑی دیر غور کے بعد فرمایا۔ عدالت کے سامنے اپنا ضامِن (ضمانت دینے والا شخص) پیش کرو۔ نوجوان نے حاضرینِ مجلس پر ایک اُمید بھری نگاہ ڈالی ساری مجلس میں کوئی اس کا شَنَاسا (جاننے والا) نہ تھا۔ مایوس ہو کر بیٹھ گیا۔ اتنے میں ایک صحابیِ رسول حضرت ابوذر غِفاری رضی اللہ عنہ کھڑے ہوئے اور آواز دی۔ امیر المومنین! میں اس جوان کا ضامن ہوتا ہوں اسے تین دن کی مہلت پر رہا کر دیا جائے۔ چنانچہ ایک جَلِیْلُ القَدَرْ (بڑے رُتبے والے) صحابی کی ضمانت پر نوجوان کو رہا کر دیا گیا۔

منظر انتظار: آج تیسرا دن تھا۔ دربارِ خِلافت کَھچا کھچ (گنجائش سے زیادہ) بھرا ہوا تھا دونوں مُدَّعِی (دعویٰ کرنے والے) بھی حاضر تھے حضرت ابوذر غِفاری رضی اللہ عنہ بھی موجود تھے لیکن نوجوان ابھی پلٹ کر نہ آیا تھا۔ جُوں جُوں (جیسے جیسے) انتظار کا لمحہ گزرتا جاتا تھا لوگوں کی تَشْوِیش (پریشانی) بڑھتی جاتی تھی۔

مدعیوں نے کہا: ابوذر! ہمارا مُجرم کہاں ہے؟ جواب دیا "تیسرے دن کا پورا حصہ جب تک نہ گزر جائے اس کا انتظار کرو اگر وہ وقتِ مقررہ پر نہیں آیا تو قصاص کے لئے میری گردن حاضر ہے۔"

حضرت ابوذر (رضی اللہ عنہ) لے اس جواب پر صحابہ لرام اب دِیدَہ ہوئے اور ان کا اِضطِرَاب (بے چینی) بڑھ لیا۔ صحابہ ے بڑی لجاجَت (عاجزی) لے سا

نوعمر (نوجوان) مدعیوں سے کہا۔ تم خون بَہا (جان کا معاوضہ) قبول کرلو۔ مدعیوں نے جواب دیا ہم خون کا بدلہ خون چاہتے ہیں۔ اُمید وبِیم (کامیابی اور ناکامی کی درمیانی حالہ

کا یہی عالم تھا کہ سامنے اُڑتا ہوا غبار نظر آیا۔ گرد ہٹی تو پسینے میں شرابور (سر سے پاؤں تک بھیگا ہوا) مُجرم (نوجوان) سامنے کھڑا تھا۔ تماشائیوں کی آنکھیں حیرت (تعجب)۔

پھٹی کی پھٹی (ہولناکی کا ایک منظر) رہ گئیں۔

امیر المومنین نے نوجوان سے مخاطب ہو کر فرمایا "سزا تمہیں بعد میں دی جائے گی پہلے ایک بات سنو! تمہیں تین دن کی مہلت ملی۔ تمہارا پتہ نشا

بھی کسی کو نہیں معلوم تھا۔ سزائے موت سے بچنے کے لئے تم فرار بھی ہو سکتے تھے۔؟ (پھر تم کیسے پہنچے)

نوجوان مجرم نے بھیگی پلکوں کے سائے میں کھڑے ہو کر جواب دیا "امیر المومنین! میں فرار ہو کر کہاں جاتا؟ یہاں نہ سہی۔ وہاں سزا ملتی لیکن اسا

کے دشمن یہ طعنہ دیتے کہ محمد (ﷺ) کے غلام عہد شِکن (قول واقرار سے پھر جانے والے) ہوتے ہیں۔ اس لئے میں نے سوچا کہ زمین پر میرے خون کا دھبہ چند دنو

کے بعد مٹ جائے گا لیکن عہد شِکنی کا دھبہ اسلام کے دامَن پر ہمیشہ کے لئے نمایاں رہے گا۔" نوجوان کے اس بیان پر لوگوں کے دل بھر آئے آنکھیں اَشکا

ہو گئیں اور اسلام کی اس رِقّت انگیز محبت پر صحابہ کرام کا پیمانہ اور لبریز ہو گیا۔

اب امیر المومنین۔ حضرت ابوذر غِفاری رضی اللہ عنہ سے مخاطب ہوئے کہ "ابوذر! تم بغیر سوچے سمجھے ایک ایسے شخص کے ضامن بن گئے جس

ساتھ نہ تمہاری کوئی شناسائی تھی نہ اس کے پتہ و نشان سے تم واقف تھے۔ ایک راہ گیر (مُسافر) پردیسی کی سزائے موت کا بار (بوجھ) تم نے اپنے سر لے

کتنا اَلمناک (دردناک) اِقْدَام کیا؟ اگر خدانخواستہ وہ نہ آتا تو آج ابوذر کے معاملہ میں اہل مدینہ کا کیا حال ہوتا؟"

ابوذر غفاری (رضی اللہ عنہ) بے تاب ہو کر کھڑے ہو گئے "امیر المومنین! ایک ابوذر نہیں 'ایک ہزار ابوذر سرکار ﷺ کی ادائے رحمت پر قر

ہیں۔ ایک غریبُ الوَطن (مسافر) مجرِم تاجدار کونین ﷺ کے غلاموں کے درمیان کھڑا پناہ ڈھونڈ رہا تھا اس کے چہرے کی اَفسُردَگی (مایوسی) اور نگاہوں کا یاس

اُمیدی) مجھ سے نہ دیکھا گیا۔ میں نے سوچا! وقت کا قافلہ گزر جائے گا نشانِ قدم باقی رہے گا کہیں آنے والی دنیا یہ نہ کہہ دے کہ محمد رسول اللہ (ﷺ)

غلاموں میں اتنی بھی غمگُساری (ہمدردی) کا جذبہ نہیں تھا کہ اپنے ہی ایک بھائی کو تین دن کیلئے پناہ دے دیتے۔"

امیر المومنین کیا یہ طعنہ کہ مدینۃُ النبی کی بھری آبادی میں ایک غریبُ الوطن مجرم کو کوئی ضامن نہ مل سکا۔ ہمیں مر جانے کے لئے کافی نہ تھا؟

ضامن نہ ہوتے جب بھی آج ہماری موت کا دن تھا۔ حضرت ابوذر جواب دے کر جو نہی بیٹھے۔ دونوں مدعی کھڑے ہو گئے۔ [33]

مُدَّعِی برادران: "امیر المومنین! تاریخ اسلام کی شاہراہ روشن کرنے میں ہم کسی سے پیچھے نہیں رہنا چاہتے۔ ہم کبھی برداشت نہیں کر سکتے کہ آ

والا مؤرِّخ سرکار ﷺ کے غلاموں کو یہ طعنہ دے کہ ان میں اِتنا بھی جذبہ رحم نہیں تھا کہ وعدہ پورا کرنے اور واپس لوٹ کر آنے والے مجرم کو معا

کردیتے۔"

---

[33] (نوادر الخلفاء المشهور بـ «إعلام الناس بما وقع للبرامكة مع بني العباس»، باب عمر والشاب القاتل وأبو ذَرّ، 12/1، دار الكتب العلمية، بيروت لبنان، الطبعة: الأولى، 1425هـ 2004م)

امیر المومنین گواہ رہیئے ! کہ ہم اپنے باپ کے خون کا دعوی واپس لیتے ہیں اور دل کی اتھاہ گہرائی سے اپنے ایک بھائی کو معاف کرتے ہیں۔

حضرت ابوذر غِفاری رضی اللّٰہ عنہ کا دوسرا واقعہ: حضرت ابوذر (رضی اللہ عنہ) کے پاس چند اونٹ تھے۔اور ایک ناتَواں ضعیف (کمز
ساچر واہا تھا جو ان کی خَبَر گیری (نگرانی) کرتا تھا اسی پر گُذر تھا۔ایک شخص قبیلہ بنو سلیم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور یہ تمنّا (خواہش) ظاہر کی کہ میں آپ کی خدم
میں رہنا چاہتا ہوں تاکہ آپ کے فُیُوض سے اِستِفادَہ (فائدہ) حاصل کروں۔ حضرت ابوذر غِفاری نے ارشاد فرمایا کہ : میرا دوست وہ ہے جو میری اِطاعت کرے ا
تم بھی میری اِطاعت کے لئے تیار ہو شوق سے رہو۔کہنا نہ مانو تو تمہاری ضرورت نہیں۔سلیمی صاحب نے عرض کیا کہ کس چیز میں آپ اپنی اطاعت چا
ہیں۔فرمایا کہ جب میں اپنے مال میں سے کسی چیز کے خرچ کا حکم کروں تو عُمدہ سے عُمدہ مال خرچ کیا جائے۔وہ کہتے ہیں کہ میں نے قبول کیا اور رہنے لگا۔اتف
سے ایک دن ان سے کسی نے ذکر کیا کہ پانی پر کچھ لوگ رہتے ہیں جو ضرورت مند ہیں کھانے کے محتاج ہیں مجھ سے فرمایا کہ اونٹ لے آؤ۔میں گیا میں نے د
کہ ایک بہت ہی عمدہ اونٹ ہے جو نہایت قیمتی نہایت کار آمد اور سواری میں مُطیع (اطاعت کرنے والا)۔میں نے حَسْبِ وَعْدَہ (وعدہ کے مطابق) اس کو لے جانے کا ارادہ
مگر مجھے خیال ہوا کہ غُرَباء کو کھلانا ہی تو ہے اور یہ اونٹ بہت زیادہ کار آمد ہے۔حضرت کی اور مُتَعَلِّقِین (لواحقین) کی ضرورت کا ہے اس کو چھوڑ کر اس سے ذر
درجہ کی عمدہ اونٹنی کہ اس اونٹ کے علاوہ اور باقی سب سے بہتر تھی لے کر حاضرِ خدمت ہوا۔فرمایا کہ تم نے خیانت کی۔میں سمجھ گیا اور واپس آکر وہی اون
لے گیا۔پاس بیٹھنے والوں سے ارشاد فرمایا کہ : دو آدمی ایسے ہیں جو اللہ کے واسطے ایک کام کریں۔دو آدمی اٹھے انہوں نے اپنے کو پیش کیا فرمایا کہ اس کو ذبح
واور ذبح کے بعد گوشت کاٹ کر جتنے گھر پانی پر آباد ہیں ان کو شمار کر کے ابوذر (رضی اللہ عنہ) کا یعنی اپنا گھر بھی ایک عدد ان میں شمار کر لو اور سب کو برابر تقس
کردو۔میرے گھر بھی اتنا ہی جائے جتنا ان میں سے ہر گھر میں جائے۔انہوں نے تعمیلِ ارشاد (فرمانبرداری) کی اور تقسیم کردیا۔اس کے بعد مجھے بلایا اور فرمایا
تو نے میری وصیت عمدہ مال خرچ کرنے کی جان بوجھ کر چھوڑی یا بھول گیا تھا اگر بھول گیا تھا تو معذور ہے۔میں نے عرض کیا کہ بھولا تو نہیں تھا میں نے اوّل ا
اونٹ کو لیا تھا مگر مجھے خیال ہوا کہ یہ بہت کار آمد ہے آپ کو اکثر اس کی ضرورت رہتی ہے محض اس وجہ سے چھوڑ دیا تھا۔فرمایا کہ محض میری ضرورت
چھوڑا تھا۔عرض کیا کہ محض آپ کی ضرورت سے چھوڑا تھا۔فرمایا اپنی ضرورت کا دن بتاؤں۔میری ضرورت کا دن وہ ہے جس دن میں قبر کے گڑھے
اکیلا ڈال دیا جاؤں گا۔وہ دن میری ضرورت اور اِحْتِیَاج (محتاجی) کا ہے۔مال کے اندر تین حصہ دار ہیں ایک تقدیر جو مال کے لے جانے میں کسی چیز کا اِنتظار نہ
کرتی اچھا برا ہر قسم کا لے جاتی ہے، دوسرا وارِث جو اس کے انتظار میں ہے تو مرے تو وہ لے لے اور تیسرا حصہ دار تو خود ہے اگر ہو سکتا ہو اور تیری طاقت
ہو تو تینوں حصہ داروں میں سب سے زیادہ عاجِز نہ بن۔اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: لَنْ تَنَالُوا الْبِرَّ حَتّٰی تُنْفِقُوْا مِمَّا تُحِبُّوْنَ [34]

ترجمہ: تم ہر گز بھلائی کو نہ پہنچو گے جب تک راہِ خدا میں اپنی پیاری چیز خرچ نہ کرو۔

اس لئے جو مال مجھے سب سے زیادہ پسند ہے اس کو میں اپنے لئے آگے چلتا کروں تاکہ وہ میرے لئے جمع رہے۔[35]

---

[34] سورۃ آل عمران : 92 لَنْ تَنَالُوا الْبِرَّ حَتّٰی تُنْفِقُوْا مِمَّا تُحِبُّوْنَ وَ مَا تُنْفِقُوْا مِنْ شَیْءٍ فَاِنَّ اللّٰہَ بِہٖ عَلِیْمٌ
ترجمہ: تم ہر گز بھلائی کو نہ پہنچو گے جب تک راہِ خدا میں اپنی پیاری چیز نہ خرچ کرو اور تم جو کچھ خرچ کرو اللہ کو معل
ہے۔

[35] (تاریخ دمشق، باب ابو ذر غفاری، 205/66، دار الفکر للطباعۃ والنشر والتوزیع، عام النشر: 1415ھ 1995م)

حضرت ثابت انصاری رضی اللہ عنہ کا ایثار: ایک صحابی رضی اللہ عنہ روزہ پر روزہ رکھتے تھے (کثرت سے)۔افطار کے لئے کوئی چیز کھانے مُیَسَّر (دستیاب) نہ آئی۔ایک انصاری صحابی حضرت ثابت رضی اللہ عنہ نے بھانپ (جان) لیا۔بیوی سے کہا کہ رات کو ایک مہمان کو لاؤں گا جب کھانا شروع کر تو تم چراغ کو درست کرتے ہوئے بجھا دینا اور جب تک اس مہمان کا پیٹ نہ بھر جائے خود نہ کھانا۔چنانچہ انہوں نے ایسا ہی کیا۔ساتھ میں سب شریک رہے جو کھا رہے ہوں۔ صبح کو حضرت ثابت (رضی اللہ عنہ) جب حضور (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی مجلس میں حاضر ہوئے تو حضور (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا کہ رات کا تمہارا اپنے مہمان کے سا کا برتاؤ حق تعالیٰ کو بہت ہی پسند آیا۔[36] (درمنثور)

حضرت عبداللہ بن جعفر رضی اللہ عنہما کا ایثار: آپ سے کسی شخص نے حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے یہاں سفارِش کرائی۔ان سفارِش پر اس کا کام ہو گیا تو اس نے نذرانہ کے طور پر چالیس ہزار درہم بھیجے۔انہوں نے واپس کر دیئے کہ ہم لوگ اپنی نیکی کو فَروخت نہیں کیا کرتے۔ایَ مرتبہ کہیں سے دوہزار درہم نذرانہ میں آئے اسی مجلس میں تقسیم فرمادیئے۔ایک تاجر بہت سی شکر (چینی) لے کر آیا بازار میں فَروخَت نہ ہوئی۔اس فکرورَنُج (غم) ہوا۔عبداللہ بن جعفر رضی اللہ عنہ نے اپنے کارِندوں (کام کرنے والوں) سے کہا کہ ساری شکر اس سے خرید لو اور لوگوں میں مفت بانٹ دو۔[37] را کو قبیلہ میں جو مہمان آجاتا تھا وہ ان کے یہاں سے کھانا پینا ہر قسم کی ضروریات پوری کرتا۔ حضرت زبیر رضی اللہ عنہ ایک لڑائی میں شریک تھے ایک دن ا بیٹے عبداللہ کو وصیت فرمائی کہ میرا خیال یہ ہے کہ آج میں شہید ہو جاؤں گا۔ تم میرا قرضہ ادا کر دینا اور فلاں فلاں کام کرنا۔یہ وصیتیں کر کے اسی دن شہ ہو گئے۔صاحب زادہ نے جب قرضہ کو جوڑا تو بائیس لاکھ درہم تھے اور یہ قرضہ بھی اسی طرح ہوا تھا کہ امانت دار بہت مشہور تھے لوگ اپنی اپنی امانتیں بہ کثرت سے رکھتے۔یہ فرمادیتے کہ رکھنے کی جگہ تو میرے پاس نہیں یہ رقم قرض ہے جب تمہیں ضرورت ہو لے لینا۔یہ کہہ کر صدقہ کر دیتے۔اور یہ وصیت کی کہ جب کوئی مشکل پیش آئے تو میرے مولیٰ سے کہہ دینا۔عبداللہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں مولیٰ کو نہ سمجھا۔میں نے پوچھا کہ آپ کے مولیٰ کو ؟فرمایا کہ اللہ تعالیٰ۔چنانچہ حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ نے تمام قرضہ ادا کیا۔کہتے ہیں کہ جب کوئی دِقّت (پریشانی) پیش آتی میں کہتا کہ اے زبیر کے مولیٰ فلا کام نہیں ہوتا وہ فوراً ہو جاتا۔یہ عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے ایک مرتبہ عبداللہ بن جعفر (رضی اللہ عنہ) سے کہا کہ میرے والد کے قرضہ فہرست میں تمہارے ذمہ دس لاکھ درہم لکھے ہیں۔کہنے لگے کہ جب چاہو لے لو۔اس کے بعد معلوم ہوا کہ مجھ سے غلطی ہوئی۔میں دوبارہ گیا میں نے کہا و تمہارے ان کے ذمہ ہیں۔کہنے لگے کہ میں نے معاف کر دیئے۔میں نے کہا کہ میں معاف نہیں کراتا۔کہنے لگے کہ جب تمہیں سہولت (آسانی) ہو دے دینا۔ نے اس کے بدلہ میں ایک زمین ان کو دیدی جو معمولی حیثیت کی تھی پانی وغیرہ بھی اس میں نہیں تھا انہوں نے فوراً قبول کر لی اور غلام سے کہا کہ اس زمین مصلیٰ بچھا دے۔اس نے مصلیٰ بچھا دیا۔دو رکعت نماز وہاں پڑھی اور بہت دیر تک سجدہ میں پڑے رہے۔نماز سے فارغ ہو کر غلام سے کہا کہ اس جگہ کھود دو۔اس نے کھودنا شروع کیا ایک پانی کا چشمہ وہاں سے اُبلنے لگا۔[38] (اسد الغابہ)

---

[36] (الدر المنثور، ،8/107، دار الفكر بيروت)

[37] (سير اعلام النبلاء، باب عبد الله بن جعفر ،4/455 ، دار الحديث القاهرة: الطبعة: 1427ھ2006م)

[38] (اسد الغابة، باب عبد الله بن جعفر ،3/199 ، دار الكتب العلمية: سنة النشر : 1415ھ 1994 م)

تعارف: حضرت جعفر طیار رضی اللہ عنہ حضور اقدس (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے چچازاد بھائی اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کے سگے بھائی ہیں۔اوّل تو یہ سارا ہی گھر اور خاندان بلکہ آلِ اولادِ سخاوت، کرم شجاعت، بہادری میں ممتاز (نمایاں) رہے اور ہیں لیکن حضرت جعفر رضی اللہ عنہ مساکین (حاجت مندوں) کے ساتھ خا[ص] تعلق رکھتے تھے اور زیادہ اٹھنا بیٹھنا غُرباء ہی کے ساتھ ہوتا تھا۔کُفّار (کافروں) کی تکالیف سے تنگ ہو کر اوّل حبشہ (ایتھوپیا) کی طرف ہجرت کی اور کفار نے وہاں [بھی] پیچھا کیا تو نجّاشی[39] کے یہاں اپنی صفائی پیش کرنا پڑی۔ وہاں سے واپسی پر مدینہ طیبہ کی ہجرت کی اور غزوۂ موتہ میں شہید ہوئے۔ان کے اِنتقال کی خبر پر حضـ[ـور] (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) ان کے گھر تَعزِیَت (مردے کے اعزہ و متعلقین سے اظہار ہمدردی) کے طور پر تشریف لے گئے اور ان کے صاحبزادوں عبداللہ اور عون اور محمد کو بلایا وہ سب کم [عمر] تھے ان کے سر پر ہاتھ پھیرا اور برکت کی دعا فرمائی۔ساری اولاد میں باپ کا رنگ تھا مگر عبداللہ میں سَخاوت کا مَضمون بہت زیادہ تھا اسی وجہ سے ان کا لقب "قُطبُ السَّخا" سخاوت کا قطب (سخاوت کا روشن تارا) تھا۔ سات برس کی عمر میں حضور اقدس (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) سے بیعت فرمائی۔[40]

ایثار اور بکرے کی سری کا چکر: حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک صحابی کو کسی شخص نے بکرے کی سرِی ہدیہ (تحفہ) کے طو[ر پر] دی۔انہوں نے خیال فرمایا کہ میرے فلاں ساتھی زیادہ ضرورت مند کُنبَہ (خاندان) والے ہیں اور ان کے گھر والے زیادہ محتَاج (ضرورت مند) ہیں اس لئے ان [کے] پاس بھیج دی۔ان کو ایک تیسرے صاحب کے متعلق یہی خیال پیدا ہوا اور ان کے پاس بھیج دی۔ غرض اسی طرح سات گھروں میں پِھر کر وہ سری سب [سے] پہلے صحابی کے گھر لوٹ آئی۔[41]

اِیثار کی بینظیر مثال: حضرت ابو جہم بن حذیفہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ یَرموک[42] کی لڑائی میں، میں اپنے چچازاد بھائی کی تلاش میں نکلا کہ [وہ] لڑائی میں شریک تھے اور ایک مَشکِیزہ (چمڑے کی بوتل) پانی کا میں نے اپنے ساتھ لیا کہ ممکن ہے وہ پیاسے ہوں تو پانی پِلاؤں۔اِتفاق سے وہ ایک جگہ اس حالت [میں] پڑے ہوئے ملے کہ دَم توڑ (آخری سانس لے) رہے تھے اور جانکُنِی (سانس کا اکھڑنا) شروع تھی۔ میں نے پوچھا پانی کا گھونٹ دوں۔انہوں نے اشارے سے [ہاں] کی۔اتنے میں دوسرے صاحب نے جو قریب ہی پڑے تھے اور وہ بھی مرنے کے قریب تھے آہ کی۔میرے چچازاد بھائی نے آواز سنی تو مجھے ان کے پاس جا[نے کا] اشارہ کیا۔میں ان کے پاس پانی لے کر گیا وہ ہشام بن ابی العاص تھے۔ان کے پاس پہنچا ہی تھا کہ ان کے قریب ایک تیسرے صاحب اسی حال میں پڑے دَم [توڑ] رہے تھے۔

انہوں نے آہ کی۔ہشام (رضی اللہ عنہ) نے مجھے ان کے پاس جانے کا اشارہ کر دیا۔میں اُن کے پاس پانی لے کر پہنچا تو ان کا دم نکل چکا تھا۔ہشام (رضی اللہ عنہ) کے پا[س] واپس آیا تو وہ بھی جاں بحق ہو چکے تھے۔ان کے بعد اپنے بھائی کے پاس لوٹا اتنے میں وہ بھی شہید ہو چکے تھے۔ اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّآ اِلَيْهِ رَاجِعُوْنَ ۔ (روح البیان)

فائدہ: صاحبِ روح البیان رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اسے کہتے ہیں ایثار بالنفس (نفس کشی)، یہ مال کے اِیثار سے بڑھ کر ہے[43]

---

[39] (حضور ﷺ کے عهد میں حبشه کے مسیحی بادشاہوں کا لقب)

[40] (اسد الغابة، باب جعفر بن ابی طالب ، 541/1 ، دار الكتب العلمية: سنة النشر: 1415ھ 1994م)

[41] (المستدرک، کتاب التفسير ، باب تفسير سورة الحشر بسم الله الرحمن الرحيم ، 526/2 ، الحديث 3799، دار الكتب العلمية: الطبعة: الأولى، 1411 1990)

[42] (اردن میں یرموک نام کا ایک دریا ہے جہاں پر مسلمانوں اور رومی فوجوں کے درمیان میں شدید جنگ چھڑ گئی تھی۔)

[43] (روح البيان، سورة الحشر تحت آيت 9، 434/9، دار الفكر بيروت)

ہم دوست پر عمر و جان فدا(نثار) نہ کر سکے۔افسوس کہ عشق میں ہم سے اتنا بھی نہ ہو سکا۔[44]

واہ امام احمد رضا بریلوی رحمۃ اللّٰہ علیہ: یہاں دوست پر مال و جان فدا(نچھاور) نہ کرنے کا افسوس ہے۔اعلیٰ حضرت رحمۃاللہ علیہ ا
سے بڑھ کر کچھ اور فرماتے ہیں:

پارۂ دِل بھی نہ نکلا دل سے تحفے میں رضاؔ   ان سگانِ کُو سے اتنی جان پیاری واہ واہ

ایک اور صحابی کا ایثار: حضرت اُبَیُّ ابنِ کعب(رضی اللہ عنہ) فرماتے ہیں کہ مجھے ایک مرتبہ حضورِ اکرم(ﷺ) نے زکوٰۃ کا مال وُصُوْل(حاصل) کر
کے لئے بھیجا۔ میں ایک صاحب کے پاس گیا اور اُن سے ان کے مال کی تفصیل(وضاحت) معلوم کی تو ان پر ایک اونٹ کا بچہ ایک سالہ واجب تھا۔ میں نے اُن
اس کا مطالبہ کیا۔وہ فرمانے لگے کہ ایک سال کا بچہ نہ دودھ کے کام کا نہ سواری کے کام کا۔

اُنھوں نے ایک عمدہ جوان اونٹنی سامنے کی کہ یہ لے جاؤ۔ میں نے کہا کہ میں تو اس کو نہیں لے سکتا کہ مجھے عمدہ مال لینے کا حکم نہیں۔البتہ اگر تم دینا ہی چاہتے
تو حضورِ اقدس(ﷺ) سفر میں ہیں اور آج کا پڑاؤ فلاں جگہ تمہارے قریب ہی ہے۔ حضور(ﷺ) کی خدمت میں جا کر پیش کر دو۔اگر منظور فرمالیا تو مجھے ا
نہیں ورنہ میں معذور(مجبور) ہوں۔وہ اس اونٹنی کو لے کر میرے ساتھ ہو لئے اور حضورِ اقدس(ﷺ) کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا کہ یارسو
اللہ(ﷺ) میرے پاس آپ(ﷺ) کے قاصد(ایلچی) زکوٰۃ کا مال لینے آئے تھے اور خدا کی قسم مجھے آج تک یہ سعادت نصیب نہیں ہوئی کہ رسول اللہ(ﷺ
یا ان کے قاصد نے میرے مال میں کبھی تَصَرُّف(خرچ) فرمایا ہو اس لئے میں نے اپنا سارا مال سامنے کر دیا۔انہوں نے فرمایا کہ اس میں ایک سالہ اونٹ کا بچہ ز
کا واجب ہے۔ حضور ایک سال کے بچے سے نہ تو دودھ کا ہی نفع ہے نہ سواری کا اس لئے میں نے ایک عمدہ جوان اونٹنی پیش کی تھی جس کو انہوں نے قبول نہ
فرمایا اس لئے میں خود لے کر حاضر ہوا ہوں۔ حضور(ﷺ) نے فرمایا کہ تم پر واجب تو وہی ہے جو انہوں نے بتایا۔مگر تم اپنی طرف سے اس سے زیادہ اور عمدہ
دو تو قبول ہے اللہ تمہیں اس کا اجر مَرحَمت(عنایت) فرمائے۔انہوں نے عرض کیا کہ یہ حاضر ہے۔ حضور(ﷺ) نے قبول فرمالیا اور برکت کی دعا فرمائی۔[45]
(در منثور)

اولیاء کرام کا ایثار: بادشاہ اور وزیر کے درمیان اختلاف ہوا۔ بادشاہ کہتا کہ علماء کرام افضل ہیں وزیر کہتا کہ فقراء۔(اولیاء) وزیر نے کہا ان کا امتحان۔
لیں اس کے دو طریقے ہیں:

اوّل یہ کہ کسی کو ایک ہزار درہم دے کر یہ مدرسہ والوں کی طرف بھیجو اور کہو کہ بادشاہ نے یہ رقم اس کے لیے بھیجی ہے جو تم میں سب سے افض
(بہترین) ہو اسی کو دو۔ بادشاہ نے ایسا ہی کیا۔ تو اہلِ مدرسہ کے پاس جب بادشاہ کا قاصد گیا تو ہر ایک کہتا کہ میں سب سے اَفضل ہوں۔ قاصد نے کہا کہ مجھے تو یق
نہیں آتا کہ ان میں کون افضل ہے یہ کسی کا حق نہیں فلہٰذا میں اسے واپس لے جا رہا ہوں۔اب وہی رقم لے کر خانقاہ(مرکزِ اولیاء) میں پہنچے تو فقراء(اولیاء) سے پو

[44] (روح البیان، سورۃ التوبۃ تحت آیت 50 الی 51، 446/3، دار الفکر بیروت)
[45] (الدر المنثور، باب 267، 62/2، دار الفکر بیروت)

کہ تم میں کون اصل ہے تاکہ یہ ہزار درہم پیش کروں۔سب یک زبان بولے ''میں نہیں یہ ہے'' وغیرہ۔بالآخر قاصد نے بادشاہ کو رقم واپس جا کر دی۔ وز
نے کہا اب دوسرے طریقے سے بھی آزمایئے کہ چُھرا قاصد کے ہاتھ میں پکڑایئے اور اہل خانقاہ کے پاس بھیج کر فرمایئے کہ تم میں افضل کون ہے جو افضل ہ
اسے قتل کیا جائے گا۔جب خانقاہ میں پہنچے تو ہر ایک کہتا مجھے قتل کیجئے میرے ساتھی کے درپے(جستجو میں) نہ ہو۔اسی طرح وہ قاصد امتحان لے کر واپس آگیا ا
طرح سے وزیر بادشاہ پر غالب آگیا۔

سبق: اسے کہتے ہیں ایثار کہ خود کو قتل ہونے کے لیے پیش کر نا منظور(قبول) لیکن اپنے دوست کے لیے نامنظور گویا اپنی جان دوست پر قربان۔(46)

(روح البیا

تبصرہ اویسی غفرلہٗ: سچ پوچھو تو علماء کی اب بھی وہی حالت ہے:

زمانہ بدلے لاکھ مگر ہم نہ بدلے جائیں گے　　　　یااللہ! ہمیں ایسے علماء سے نہ بنا۔(آمین)

میں کہتا ہوں یہ بھی اہل خانقاہ دور سابق(گزشتہ دور) میں تھے۔اب ہوں گے لیکن چھپے ہوئے۔ہمیں کہیں ان کی زیارت نہیں ہو رہی بلکہ اب مدعیانِ مَشِیخَت(بزرگی کا دعویٰ کرنے والے) یا براجمان مسند ولایت(اولیاء کے گدی نشین) ہیں ان کے اکثر تو ہماری طرح "ہمچومادیگر ے نیست"(یعنی کہ مجھ جیساَ نہیں) کے مریض ہیں اور بہت سے بدنام کِنندَگانِ اسلاف(اسلاف کو بدنام کرنے والے) ہیں جن کا نام سُن کر بھی خَلقِ خدا(مخلوق) راضی نہیں۔مجھے ایک ایسے مقدس میں وعظ(نصیحت) کرنے کا موقع ملا جسے دیکھ کر مجھے شہبازانِ ولایت یاد آگئے کہ ایک وقت تھا کہ ایسے شہباز اس شہر کی گدائی کو سعادت سمجھتے اور رحمت ملائکہ کرام اس شہر کا گشت(چکر لگانا) کرتے نہ تھکتے۔لیکن افسوس کہ آج یہ شہر برائیوں اور ظلم و ستم کا اڈہ ہے کہ مَلائِکہ ِکرام یہاں کی ڈائری لکھنے پر تھَرتھَرا(لرز) جا ہیں:

واہ! عجب طور ہیں زمانے کے

صاحب رُوح البیان کا اظہار افسوس: صاحبِ رُوح البیان فرماتے ہیں کہ اب تم دیکھ رہے ہو کہ ہمارے دور کے فقراء(ولایت کے مدعی) کا حال ہے کہ اسلاف صالحین کے طریقوں سے کتنے دور نکل گئے ہیں۔

حکایت: سیدنا ابو یزید بسطامی قدس سرہٗ نے فرمایا کہ: مجھ پر بلخ کا ایک نوجوان غلبہ پا گیا۔مجھ سے پوچھا زُہد کیا ہے۔میں نے کہا کچھ مل جائے تو کھالیا جائے ہو تو صبر۔اس نے کہا کہ یہ تو ہمارے بلخ میں کتوں کا طریقہ ہے بلکہ زاہِد کو یوں ہونا چاہیے کہ کچھ نہ ہو تو بھی شکر کرے اگر ہو تو اپنے بجائے دوسروں کو دینا چا ۔(47)

کریم کامل آنرا شناسم اندر دوران　　　　**که گزمانے رسد از آسیائے چرخ گردانش**

---

[46] (روح البیان، سورۃ الحشر تحت آیت 9، 434/9، دار الفکر بیروت)

[47] (روح البیان، سورۃ الحشر تحت آیت 9، 434/9، دار الفکر بیروت)

نہ استغنائے ہمت باوجود فقر وبے برگی   رحود دواگیرد وسارو نثار بے نوایانس

ترجمہ: میں زمانے میں کریم اسے سمجھتا ہوں کہ اگر اسے آسمان کی چکی سے ایک روٹی ملے تو اَزْراہِ اِستِغْنَاء(دنیا اور اس کی لذتوں سے روگردانی کے ساتھ) باوجود فا
ضرورت کے دوسروں کی ضرورت پر خرچ کردے۔

تبصرۂ اویسی غفرلہٗ: یہ دو تین صدیوں پہلے کا حال ہے اور ہمارے دور کے مدعیانِ ولایَت(ولایت کے دعویدار) اور مَسند نَشینانِ اَسلاف(اسلاف کی مسـ بیٹھنے والے) رحمہم اللہ تعالیٰ کا حال زَبُوں تر(خستہ حال) ہے۔ میں نے تو یہاں تک تلخی(شدت) دیکھی ہے کہ ان حضرات کو جونہی(جیسے ہی) اسلاف کے طریقوں سے ہوا کہا گیا تو کہنے والے کا مَعاش(روزگار) ومُعَاشَرَہ(سماج) تنگ اور اُلٹا اسے ننگِ زمانہ(باعثِ عارِ زمانہ) مشہور کرایا جاتا ہے گویا اسے سزا دی جاتی ہے کہ پھر وہ ان کے ا دھندے میں روڑا نہ اٹکا(خلل نہ ڈال) سکے۔

خداپنج انگشت یکساں نکرد: ہمارا دور ایسا گھٹیا بھی نہیں کہ اس میں صحیح اور سچے پیر نہ ہوں۔ الحمدللہ فقیر نے اپنے زمانہ میں بہت سے اور صحیح پیروں کی زیارت کی۔ ان میں حضرت الحاج خواجہ محمد سلطان بالادین صاحب اویسی شاہ پور شریف رحمۃ اللہ علیہ بھی ہیں کہ ہر حق بات سنتے اور سن کر صرف خوش ہوتے بلکہ داد(شاباشی) دیتے۔ پڑھئے فقیر کا رسالہ "سوانح سلطان بالادین"۔

ابوالحسین نوری رحمۃ اللّٰہ علیہ کا ایثار وھمدردی: بعض صوفیا کرام کی خلیفۂ وقت کے ہاں شکایت ہوئی ان میں حضرت ابوالحسـ نوری رحمۃ اللہ علیہ بھی تھے۔ خلیفۂ وقت نے تمام صوفیہ کرام گرفتار شدگان(گرفتار ہونے والوں) کے قتل کرنے کا حکم دیا۔

حضرت ابوالحسین نوری رحمۃ اللہ علیہ نے سب سے پہلے جلاد(پھانسی دینے والے) کے ہاں پہنچ کر فرمایا پہلے مجھے قتل کرو۔ آپ سے اس پہل کرنے کی وجہ پوچھی تو فرمایا کہ میں چاہتا ہوں کہ میرے قتل ہونے کے وقت تک میرے دوست زندگی بسر کرلیں گے۔ خلیفۂ وقت یہ حال سن کر ان بزرگوں(صوفیہ کرام) کو قـ کرنے سے باز آگیا(پیچھے ہٹ گیا) اور انہیں باعزت رہائی کا حکم فرمادیا۔[48](احیاء العلوم)

ابراھیم تیمی رضی اللّٰہ عنہ کا ایثار بے مثال: حضرت ابراہیم نخعی وحضرت تیمی رضی اللہ عنہما ہر دونوں تابعین کے ا طبقات(درجات) میں سے ہیں۔ حجاج بن یوسف نے حسبِ عادت(عادت کے مطابق) ابراہیم نخعی کی گرفتاری کا حکم جاری کیا۔ حجاج کے سپاہی انہیں تلاش کرر تھے وہ روپوش(چھپ گئے) ہوگئے۔ کسی مُخْبِر(خبر دینے والے) نے خبر دی کہ ابراہیم نخعی فلاں جگہ چھپا ہوا ہے۔ وہاں اتفاقاً ابراہیم تیمی تھے اور یہ ابراہیم جو انہیں ہَمعَصْر(ایک زمانے کے) تھے سپاہیوں نے انہیں گرفتار کرلیا آپ نے گرفتاری دیدی لیکن سپاہیوں کو نہ فرمایا کہ وہ میں نہیں اور نہ ہی سپاہیوں نے امتیاز(فرق) کیا کہ کون ابراہیم ہے نخعی یا تیمی۔ آپ حجاج کے یماس نامی جیل خانہ میں قید کردیے گئے جہاں دھوپ سے کہیں سایہ تھا اور نہ سردی سے بچاؤ کی کوئی صورت۔ اس میں بھی دو دو آدمیوں کو ایک زنجیر میں جکڑا(باندھ دیا) گیا۔ ابراہیم تیمی رحمتہ اللہ علیہ اس قید کی شدّت سے اس درجہ لاغر وضعیف(کمزور) ہوگئے کہ ان کی وا ان سے ملنے کے لئے جیل خانہ میں آئیں تو انہیں پہچان نہ سکیں۔ آخر کار اسی جیل خانہ میں آپ کی وفات ہوگئی۔ لوگوں نے بھی کہا جب سپاہی آپ کی طلـ

[48] (احیاء علوم الدین، کتاب آداب الاکل ، باب کِتَابُ آدَابِ الْأُلْفَةِ وَالْأُخُوَّةِ وَالصُّحْبَةِ وَالْمُعَاشَرَةِ مَعَ أصناف الخلق 173/2، دار الفکر بیروت)

(تلاش) میں نہ تھے تو آپ یوں گرفتار ہوئے۔ فرمایا کہ میں نے مناسب نہ سمجھا کہ یہی جیسے امام وقت کو لوگ گرفتار کریں اس لئے میں نے ان کی جگہ نام پیش کر دیا۔[49] (طبقات ابن سعد صفحہ ۹۹ جلد ٦)

ایثار کی برکت: خلیفہ مُعْتَضِد باللہ عباسی کے زمانے کا واقعہ ہے کہ ایک مرتبہ اس کے ایک سپہ سالار (کمانڈر) نے ایک سوداگر (تاجر) سے پچاس ہزار در قرض (ادھار) لئے مگر بعد میں ان کی ادائیگی سے انکار کر دیا۔ سوداگر بہت رویا منّت وسَماجَت (التجاء) کی۔ مگر سپہ سالار کے کان پر جُوں تک نہ رینگی (بے خبر اور بے رہا)۔ اس نے بہت سی تدبیریں (غور و فکر) کیں کہ کسی طرح سے سپہ سالار سے روپیہ وصول کر سکے۔ مُعَزَّزِینِ شہر (شہر کے عزت دار لوگوں) کے پاس گیا۔ سرکار حکام (حکومتی عملہ) اور اَرَاکینِ سلطنت سے التجائیں (منّت وسَماجَت) کیں مگر سب بے سود (بے فائدہ)۔ کسی نے بھی اس کی مدد نہ کی۔ کیونکہ سپہ سالار سخت اکھڑ، بدمز (غصے والا) اور تُنْد خُو (چڑچڑا) تھا اور ہر شخص اس کے پاس جاتے ہوئے ڈرتا تھا چونکہ سوداگر کے پاس کوئی تحریری ثبوت نہ تھا اس لئے وہ قاضی کے ہاں دعویٰ کر سے بھی ناچار (بے بس) تھا۔

ایک دوست مل گیا۔ دوست نے اسے مَغْمُوم (اداس) اور پریشان دیکھ کر وجہ پوچھی۔ سوداگر نے تمام بات بتادی کہ کس طرح سپہ سالار نے اس۔ ایک کثیر اں قَدْر (زیادہ) رقم بطور قرض لی اور بعد میں اس کی ادائیگی سے انکار کر دیا۔ دوست نے کہا کہ بس اتنی سی بات پر پریشان ہو رہے ہو آؤ میرے ساتھ میں تمہیں ایک شخص کے پاس لے چلتا ہوں جو فوراً تمہاری رقم دلوا دے گا۔

سوداگر نے کہا کہ شہر کا کوئی بڑا آدمی ایسا نہیں جس کے پاس میں فریاد لے کر نہ گیا ہوں۔ لیکن ہر ایک نے رقم دلوانے سے معذرت کر دی۔ تمہاری نظر میں ایسا کون سا آدمی ہے جو مجھے اس ظالم سپہ سالار سے رقم دلوائے گا۔ دوست نے کہا میں تمہیں جس شخص کے پاس لے جا رہا ہوں کوئی بڑ شخصیت نہیں بلکہ بہت ہی معمولی درجے کا آدمی ہے مگر مجھے امید ہے کہ اس کے ذریعے تمہارا کام فوراً بن جائے گا۔ سوداگر نے کہا یہ کس طرح ہو سکتا ہے ج بڑے بڑے آدمیوں کے ذریعہ میرا کام نہ بن سکا تو ایک معمولی آدمی کے ذریعہ کس طرح ہو سکتا ہے۔ دوست نے جواب دیا، تمہیں اس سے کیا غرض میرے ساتھ چلو۔

چنانچہ اس نے سوداگر کو ساتھ لیا اور ایک درزی کی دوکان پر پہنچا جو اتفاقاً قریب ہی تھا۔ درزی اس وقت اپنی دکان کے چبوترے پر بیٹھا قرآن کریم تلاوت کر رہا تھا۔ دکان کوئی بہت بڑی نہ تھی اور کام بھی کچھ زیادہ نظر نہ آتا تھا لیکن درزی کے چہرے پر طُمَانِیَّت (اطمینان) اور نُورَانِیَّت کے آثار نظر آ رہے تھے۔

اسے دیکھ کر سوداگر کو اپنے دوست کی عقل پر اور بھی تعجب (حیران) ہوا اور وہ سوچنے لگا کہ یہ معمولی درجے کا درزی میرا کام کس طرح کرے گا۔ چونکہ وہ دکان پر پہنچ چکا تھا اس لئے کچھ نہ کہہ سکا۔ اس کے دوست نے آگے بڑھ کر درزی کو سلام کیا اور سپہ سالار کی بے ایمانی کا سارا واقعہ سنا کر اس سے کہ ہم آپ کے پاس اس لئے آئے ہیں کہ آپ چل کر میرے دوست کا روپیہ دلوا دیں۔

درزی نے جواب دیا مجھے کوئی عذر نہیں اور میں ابھی آپ کے دوست کے ساتھ سپہ سالار کے پاس چلتا ہوں مجھے امید ہے کہ وہ ان کا روپیہ دینے کوئی عذر نہیں کرے گا۔ چنانچہ اس نے قرآن کریم بند کیا، دوکان کو قُفْل (تالا) لگایا اور سوداگر سے کہا چلئے۔ چنانچہ یہ تینوں سپہ سالار کے ہاں پہنچے۔ سپہ سالار ا

---

[49] (طبقات الکبری، باب ابراھیم التیمی، 291/6، الناشر: دار الکتب العلمیة – بیروت، الطبعة: الأولی، 1410 ھ 1990 م)

وقت وہاں موجود نہ تھا یبن اس لے کو کر اور غلام درزی کو دیکھتے ہی سر وقد کھڑے ہوئے اور آداب بجالا کر نہایت ہی مؤدبانہ لہجے میں کہا کہ سپہ سالار صاحب
کہیں باہر گئے ہیں ابھی آتے ہیں، آپ تشریف رکھیے۔ انہوں نے ان دونوں کو مکان کے اندر لے جا کر ملاقات کے کمرے میں بٹھادیا۔ فوراً ہی نہایت عمدہ
ٹھنڈا شربت دونوں کو پلایا اور غلام پنکھا جھلنے (ہلانے) کے لئے کھڑے ہو گئے۔

سوداگر اس تمام واقعہ کو دیکھ کر سخت حیران ہوا۔ یہ واقعہ اس کی سمجھ میں نہ آتا تھا۔ کچھ دیر بعد سپہ سالار بھی آگیا جو نہی اس کی نظر درزی پر پڑی۔ ا
کا چہرہ فق (حواس باختہ) ہو گیا لیکن وہ سنبھل کر آگے بڑھا اور انتہائی مؤدبانہ لہجے میں اس سے مخاطب ہو کر کہنے لگا۔

مجھے افسوس ہے میں اس وقت کسی ضرورت سے باہر گیا تھا آپ کو انتظار کی زحمت (تکلیف) ہوئی ہو گی۔ فرمایئے کیسے آنا ہوا اور میں آپ کی کیا خدمت
کر سکتا ہوں۔ درزی نے کہا اور تو کوئی بات نہیں۔ آپ نے ان سوداگر سے پچاس ہزار درہم قرض لئے تھے لیکن ابھی تک ادا نہیں کئے۔ بس میں یہ کہنے آیا
آپ مہربانی فرما کر ان کی رقم ادا کر دیجئے۔

سپہ سالار نے کہا واقعی میں نے ان سے پچاس ہزار درہم لئے تھے لیکن اس وقت میرے پاس صرف دس ہزار درہم موجود ہیں وہ لے لیجئے۔ باقی ر
میں انشاء اللہ ایک ماہ کے اندر اندر ادا کر دوں گا آپ بالکل مطمئن رہیں۔ صرف یہ عرض ہے کہ برائے خدا اذان نہ دیجئے گا۔ درزی نے جواب دیا جب آپ
صاحب کا قرض ادا کرنے کے لئے تیار ہیں تو مجھے اذان دینے کی کیا ضرورت ہے۔ میں تو اذان صرف اس وقت دیتا ہوں جب اور کوئی چارہ کار (راستہ) نہ رہے۔

یہ کہہ کر وہ کمرے سے باہر نکل آیا۔ سپہ سالار اسے رخصت کرنے محل سے باہر تک آیا اور بڑی گرم جوشی (ولولے) سے اسے رُخصت کیا۔ سوداگر ا
تمام منظرِ کو بڑے غور اور حیرت سے دیکھتا رہا۔ باہر نکل کر اس نے کہا میں آپ کا بے حد شکر گزار ہوں کہ آپ کی بدولت میرا کام بن گیا اور میری ڈوبی ہوئی ر
باہر نکل آئی لیکن آپ کی شخصیت اور اذان کا قصہ میرے لئے حد درجہ حیرت واِستِعجاب (تعجب) کا مُوجَب (سبب) ہے۔ براہِ کرام آپ مجھے بتائیں کہ آپ کون ؟
اور یہ اذان کا کیا قصہ ہے ؟ اذان میں تو ڈرنے والی کوئی بات نہیں ہوتی۔ پھر سپہ سالار اس سے اس قدر خوف کیوں کھا رہا تھا۔ درزی نے کہا، میاں تمہیں ان باتو
سے کیا غرض۔ تمہارا کام بن گیا، تم خدا کا شکر ادا کرو اور گھر جاؤ۔ سوداگر نے جواب دیا میں تو اس وقت تک یہاں سے نہ جاؤں گا جب تک یہ تمام قصہ معلوم
کر لوں گا۔ سوداگر کے اصرار پر درزی مجبور ہو گیا اور یہ قصہ اس نے سنایا۔

میں ایک معمولی درزی ہوں اور لوگوں کے کپڑے سی کر اپنا گزارہ کرتا ہوں۔ میری دکان تو مدّتِ دراز (لمبے عرصے) سے اسی جگہ ہے جہاں سے تم
آپ کے ساتھ آیا ہوں۔ میری دکان کے ساتھ ایک مسجد ہے جس کا میں مؤذن ہوں اور پانچ وقت اس کے منارہ پر چڑھ کر اذان دیا کرتا ہوں۔ یہ مسجد شاہی محل
کے قریب ہے اور میری آواز امیر المومنین کے کانوں تک پہنچتی ہے۔

ایک دن مغرب کے قریب میں دکان پر بیٹھا کپڑے سی رہا تھا کہ میں نے دیکھا کہ ایک تُرک اَفسر ایک عورت کو زبردستی گھسیٹتے ہوئے لے جارہا
۔ عورت چیخ چلا رہی تھی مگر بازار میں کسی کی اتنی ہِمّت نہ تھی کہ وہ اسے اُس ظالم اَفسر کے ہاتھ سے چھڑا سکے۔ یہ منظر دیکھ کر میری غیرت جوش میں آئی اور م
نے آگے بڑھ کر اس افسر سے کہا کہ اس عورت پر ظلم نہ کر اور اسے چھوڑ دے۔ مگر اس نے پرواہ نہ کی اور عورت کو اسی طرح گھسیٹتا رہا۔ میں نے دوبارہ اس۔

یہی التجا کی۔ اس پر اس نے ایک ہاتھ سے عورت کو پکڑ لیا اور دوسرے ہاتھ سے ڈنڈا لے کر مجھے اس طرح مارا کہ میری ہڈی پسلی ایک ہو گئی اور جگہ جگہ سے خو
جاری ہو گیا۔ مجھے اچھی طرح زَدو کوب(مارپیٹ) کر کے وہ تُرک افسر اپنی راہ(راستہ) پر چلا گیا۔

گو تکلیفِ درد کی وجہ سے میری بری حالت تھی اور مجھ سے ہلا بھی نہ جا رہا تھا لیکن میری غیرت اور حَمیَّت اب تک جوش کھا رہی تھی۔ میں بڑی مشـ
سے اٹھا کچھ درد مند لوگوں کو جمع کیا اور اس ترک افسر کے دروازے پر پہنچ کر اسے باہر بلایا۔ جب وہ باہر آیا اور اس نے مجھے ایک مجمع کے ساتھ دیکھا تو اس
غصہ کی کوئی حد نہ رہی۔ وہ اسی وقت اندر چلا گیا اور تلوار نکال کر لایا جسے دیکھ کر باقی سب لوگ جان بچا کر بھاگ گئے مگر میں اپنی جگہ کھڑا رہا۔ اس نے
پر گھونسوں، لاتوں اور مُکّوں کی بارش شروع کر دی۔ میں پہلے زخمی تھا اس مارنے اور ستم ڈھایا اور میں بے ہوش ہو کر گر پڑا۔ وہ افسر مجھے اسی حالت میں چھوڑ
اپنے مکان میں چلا گیا اور بعض لوگوں نے از راہِ ہمدردی مجھے میری دکان پر پہنچا دیا۔

میرا سارا بدن بری طرح دکھ رہا تھا۔ جگہ جگہ سے کھال پھٹ گئی تھی اور زخموں سے خون جاری تھا لیکن اس مظلوم عورت کی بے کسی اور بے بسی
سامنے مجھے اپنی سخت تکلیف بھی یاد نہ تھی اور میں برابر(مسلسل) سوچ رہا تھا کہ کون سی تدبیر اختیار کروں کہ اس ظالم افسر سے اس مظلوم عورت کا پ
چھوٹے۔ آخر بہت سوچنے کے بعد یہ ترکیب(طریقہ) ذہن میں آئی کہ منارہ پر چڑھ کر اذان دے دوں اس طرح وہ افسر سمجھے گا کہ صبح ہو گئی اور عورت کو چھ
دے گا۔ زخموں اور درد کے باعث مجھ میں ہلنے کی قطعاً تاب(طاقت) نہ تھی لیکن جس طرح بھی بن پڑا اس منارہ پر چڑھا اور اپنی پوری قوت(طاقت) سے اذان د
دی۔ اذان دے کر اس منارہ سے نیچے اُتر آیا۔

ابھی میں نیچے اترا ہی تھا کہ کیا دیکھتا ہوں کہ چند سرکاری پیادے(پیدل) ہاتھوں میں مَشْعَلَیں (بڑا چراغ دان) لئے مسجد کی طرف تیزی سے چلے آر
ہیں۔ میرے پاس آکر انہوں نے پوچھا کہ یہ بے وقت کی اذان کس نے دی ہے۔ سرکاری پیادوں کو دیکھ کر میرے اوسان خطا ہو گئے(یعنی میں ہوش و ہواس میں نہ
تاہم میں نے جرأت(ہمت) کر کے کہا، "میں نے اذان دی ہے" بتایئے کیا بات ہے؟

انہوں نے جواب دیا کہ امیر المومنین نے حکم دیا ہے کہ اس شخص کو گرفتار کر کے میرے سامنے پیش کیا جائے جس نے یہ بے وقت اذان دی ہے۔

چنانچہ انہوں نے مجھے لے جا کر امیر المومنین کی خدمت میں پیش کر دیا۔ امیر المومنین نے بڑے غصے سے میری طرف دیکھا اور کہا...... تم نے بے وقت اذ
کیوں دی ہے؟ کیا تمہیں معلوم نہیں کہ تمہاری اس حرکت سے کتنا نقصان ہوا ہو گا جب چوکیداروں اور محافظوں نے اذان سنی ہو گی وہ گشت ختم کر کے ا
اپنے گھروں کو چلے گئے ہوں گے ان کی عدم موجودگی(غیر حاضری) میں اگر بازاروں اور گھروں میں چوری ہو جائے تو اس کا ذمہ دار کون ہو گا؟ اور پہرہ داروں
نگرانی کون کرے گا؟ جن لوگوں کو صبح روزہ رکھنا ہو گا انہوں نے بغیر کھائے پیئے روزہ رکھ لیا ہو گا بتاؤ تمہیں اس قُصور کی سزا کیوں نہ دی جائے۔

میں نے امیر المومنین سے کہا کہ : حضور سزا کا حکم سنانے سے پہلے میری بات سن لیں اس کے بعد حضور کو اِختیار ہے جو سزا دیں، مجھے منظ
ہو گی، امیر المومنین نے کہا اچھا کہو، میں نے کہا: میں سب سے پہلے اس امر پر مسَرَّت کا اظہار کرتا ہوں کہ ہمارے بادشاہ کو رعایا(عوام) کا اس قدر خیال ہے ک
ان کے لئے اپنا آرام اور چین بھی قربان کر دیتا ہے اور ان کی بہبود(ترقی) کی خاطر راتوں کو جاگتا رہتا ہے ورنہ اسے کیسے پتہ چلتا کہ اذان بے وقت دی گئی ہے۔

اس کے بعد میں نے ترک افسر کا سارا واقعہ سنایا اور کہا کہ : میں نے بس اس لئے بے وقت اذان دی ہے کہ وہ ظالم آدمی یہ سمجھے کہ صبح ہو گئی۔

اور اس طرح اس عورت کو چھوڑ دے۔اب میری حضور سے یہ التجاہے کہ کسی آدمی کو بھیج کر اس بے کس و مظلوم عورت کو اس ظالم افسر کے چُنگل سے چھڑادیں۔امیر المومنین نے یہ سن کر مجھے تواپنے پاس بٹھالیا اور ایک ملازم کو بلاکر کہاکہ فلاں ترک افسر کو گرفتار کرکے اسی وقت میرے سامنے حاضر کرو۔اس کے پاس جو عورت ہو اسے بھی ساتھ لیتے آنا۔ تھوڑی ہی دیر میں ترک افسر امیر المومنین کے سامنے کھڑا تھر تھر کانپ رہا تھا۔امیر المومنین نے انتہائی طیش (غضب) بھری نظروں سے اس کی طرف دیکھا اور اس سے ناپاک حرکت کی وجہ پوچھی۔اس نے گڑ گڑا کر اپنے قصور کی معافی چاہی اور رحم کی درخواست کی۔

مگر امیر المومنین نے معاف نہ کیا اور حکم دیا کہ صبح ہونے پر اسے ایک بوری میں بند کرکے چوک کے درمیان رکھ دیا جائے کہ لوگ لاتوں، مکوں گھونسوں سے اس کی خاطرِ تواضُع (بے عزتی) کریں، یہ سزا اس وقت تک جاری رکھی جائے جب تک اس کی جان نہ نکل جائے۔یہ حکم دے کر وہ میری طرف متوجہ ہوئے اور کہا تمہاری دلیری شُجاعت اور غیرت کو دیکھ کر میرا دل بے حد خوش ہوا۔یہ لو پانچ ہزار درہم کی تھیلی، یہ تمہارا انعام ہے اور آئندہ جب کبھی کسی پر ظلم ہوتے دیکھو اور اسے روک نہ سکو تو منارہ پر چڑھ کر اذان دے دیا کرو۔میں فوراً سمجھ جاؤں گا کہ اس بے وقت کی اذان کے ذریعہ تم مجھ کو کسی مظلوم کی فریاد پہنچانا چاہتے ہو۔میں اسی وقت تمہیں بلالیا کروں گا اور مظلوم کی دادرسی (چارہ سازی) کیا کروں گا۔

امیر المومنین کے حکم کی شہرت تمام شہر میں ہو گئی۔یہی وجہ ہے کہ جب میں کسی اہلکار اور معزز شخص کو اس کے کسی ظلم یا ناانصافی کی طرف توجہ دلاتا ہوں وہ فوراً اس کے ازالے (زائل کرنے) کے لئے تیار ہو جاتا ہے کیونکہ وہ جانتا ہے کہ اگر وہ ظلم اور ناانصافی سے باز نہ آیا اور میں نے اذان دے دی تو پھر اس کی خیر نہیں۔تمہارے سامنے بھی یہی ماجرا گزرا اور سپہ سالار نے خوف کے مارے فوراً تمہاری رقم ادا کرنے کا وعدہ کرلیا اور دس ہزار درہم ادا بھی کر دیئے۔[50]

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا فاضل بریلوی رحمتہ اللّٰہ علیہ کا ایثار:

انوارِ رضا صفحہ ۲۳۸ میں ہے کہ:

جب سجادہ نشین صاحب نے ایک مرتبہ اعلی حضرت سے رکھوالی کے لئے دو کتوں کی فرمائش کی تو اعلی حضرت اعلیٰ نسل کے دو کتے خانقاہ عالیہ کی دیکھ بھال کے لئے بذات خود دے آئے اور فرمایا کہ حضرت ان کتّوں کو آپ کی خدمت میں پیش کر دیا ہے۔یہ سارا کام کاج کریں گے اور رات کے وقت رکھوالی بھی جانتے ہیں۔یہ دونوں کتے کون تھے ؟آپ کے دونوں صاحبزادگان جن میں سے ایک حضرت قبلہ مفتی اعظم ہند تھے اور دوسرے زمانہ ہوا غریق رحمت ہو گئے ہیں۔(یعنی حجۃ الاسلام علامہ حامد رضا خاں صاحب رحمۃ اللہ علیہ)۔[51]

محدِّثِ اعظم پاکستان علامہ سردار احمد رحمۃ اللّٰہ علیہ کا اِیثار:

سراجِ العلماء استادی المکرم مولانا فقیہ سراج احمد مکھن بیلوی ثُمَّ خانپوری رحمۃ اللہ علیہ نے مجھے فرمایا کہ جب اعلیٰ حضرت امام احمد رضا فاضل بریلوی قدس سرہ کے ایک فتویٰ سے متاثر ہو کر ارادہ کیا کہ بریلوی فقیہ کی بریلی جاکر ہی زیارت کروں لیکن افسوس کہ ہمیں ان کے وِصال (انتقال) کا علم نہ تھا ان کے وِصال کے ! بلکہ ان کے صاحبزادہ حجۃ الاسلام مولانا محمد حامد رضا رحمۃ اللہ علیہ کے وصال کے بھی بعد بریلی شریف جانا ہوا۔اس وقت مفتی اعظم ہند مولانا محمد مصطفٰے رضا خاں (رحمۃ اللہ علیہ) سفر پر تھے۔حضرت مولانا حکیم الامت امجد علی صدر الشریعہ رحمۃ اللہ علیہ نے مدرسہ بریلی سنبھالا ہوا تھا۔وہ بھی پڑھا کر کہیں تشریف لے جا۔

---

[50] (البداية و النهاية، وهذه ترجمة المعتضد، جلد 11 ص 88 الی 91، دار الفکر – بيروت، عام النشر: 1407 هـ 1986 م)

[51] (انوارِ رضا، ص 238، ضیاء القرآن پبلیکیشنز، اردو بازار لاہور)

تھے مولانا سردار احمد صاحب (رحمۃ اللہ علیہ) زیرِ تعلیم تھے۔ ہم دوسا تھی تھے مسجد میں ہمیں اجنبی دیکھ کر حالات پوچھے۔ فرمایا کہ یہاں مہمانوں کے لئے رہا
کھانا وغیرہ کا کوئی انتظام نہیں لیکن آپ چونکہ اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے مہمان ہیں اسی لئے آپ کے کھانے اور رہائش کا انتظام میں خود کرتا ہوں چنانچہ
وقت ہم آستانہ اعلیٰ حضرت قدس سرہٗ پر رہے مولانا سردار احمد صاحب نے اپنا بستر اور رہائش گاہ ہمارے حوالے کر دیا اور اپنی جیب سے ہی ہمارے کھا
کا انتظام کیا۔

غزالی زماں سید احمد سعید شاہ صاحب کاظمی محدث ملتانی رحمۃ اللّٰہ علیہ کا ایثار: حضرت غزالی ز
رحمۃ اللہ علیہ کا ایثار اس سے بڑھ کر ہر اہلسنّت کے لئے تھا لیکن فقیر چونکہ آپ کے تلامِذہ کا اَدنیٰ تِلْمِیذ (شاگرد) ہے اور حقیقت یہ ہے کہ دورانِ طالب علمی آپ
تلامذہ در تلامذہ کی فہرست میں فقیر ایک لاشَیٔ تِلْمِیذُ التَّلَامِذَہ سمجھا جاتا تھا۔ فقیر نے جب مدرسہ مَنْبَعُ الفُیُوض حامد آباد کی بنیاد رکھی تو سالانہ جلسہ مدارس کا ایک ا
شعبہ سمجھا جاتا ہے اسی لئے ڈرتے ڈرتے سالانہ جلسہ کے لئے عرض کیا تو فرمایا: نہ صرف اس سال بلکہ ہر سال۔ فقیر نے عرض کر دیا کہ:

شاہان چه عجب که نوازند گدارا

پھر فقیر کا ہر سال جلسہ نہ ہو سکتا تھا جب تک غزالی زمان رحمۃ اللہ علیہ رونق افروز نہ ہوتے۔

ایثار کی مثال: یہ کوئی رسمی مثال نہیں بلکہ حقیقت ہے کہ دورِ حاضرہ میں مقررین وواعظین اگر غزالی زماں رحمۃ اللہ علیہ کی پیروی واِقتداء کریں تو سُنیّ
کی خدمت ہو۔ فقیر کا گاؤں اسٹیشن سے کوسوں دور (بہت دور) بسّوں کا رواج معدوم (ناپید)، سڑکوں کا تصوُّر تو ایک اَنہونی بات تھی۔ شاہراہ پاکستان سے بھی فقی
مدرسہ کافی فاصلہ پر تھا۔ غزالی زماں ہر سال شاہراہ پاکستان سے پیدل چل کر جلسہ کی رونق کو دوبالا فرماتے۔ سواری کے لئے گھوڑی پیش کی جاتی تو فرماتے اس
عادت نہیں۔ سائیکل کا راستہ نہیں کہ آپ کو اس پر بٹھا کر جلسہ میں لایا جائے۔ بارہا برستی بارش میں کیچڑ پاؤں بھرپور اور کپڑے بھیگے کر کے حامد آباد تشریف
لاتے۔ زادِ راہ (سفر کا کھانا) اور نذرانہ (ہدیہ) کا تو نام تک نہ تھا اسے کہتے ہیں ایثار و ہمدردی۔

علّامہ مفتی ہزاروی مدظلہ العالی کا ایثار: حضرت علامہ مفتی عبدالقیوم ہزاروی مُہتمم جامعہ نظامیہ وناظم اعلیٰ تنظیم المدارس۔
طالب علمی سے ہی فقیر کے ساتھ دوستی ہے۔ جب وہ حضرت شیخ الحدیث علامہ غلام رسول رضوی رحمۃ اللہ علیہ کے ہاں پڑھتے تھے اور فقیر جامعہ رضویہ فیص
آباد میں دورہ حدیث پڑھتا تھا۔ حضرت مولانا علامہ شیخ الحدیث غلام رسول صاحب ان دِنوں ہارون آباد کے مدرسہ سے مستعفی ہو کر فیصل آباد میں تشریف
لائے ہوئے تھے۔ ان کے ساتھ چند ہونہار (ذی استعداد) شاگرد بھی تھے۔ تو وہ فقیر کے ساتھ مشکل صیغے اور ترکیبوں میں طبع آزمائی فرماتے تھے۔ ان میں م
عبدالقیوم صاحب نمایاں تھے۔ حضرت مولانا غلام رسول صاحب کو فقیر کی عِلمی اِستعداد (صلاحیت و مہارت) کا ذکر کیا تو انہوں نے فقیر کو بلا کر فرمایا کہ تم اس س
فارغ التحصیل ہو جاؤ گے۔ نئے سال میں ہم جس مدرسہ میں مُتَعَیَّن ہوئے تمہیں بلالینگے تم ہماری نِیَابَت (نمائندگی) میں تَدْرِیس کرنا تمہارا علمی اضافہ ہو گا۔ ف
نے رَسْمی طور پر عرض کر دیا۔

نئے سال ۱۹۵۲ء فقیر نے اپنے گاؤں حامد آباد ضلع رحیم یار خاں میں مدرسہ مَنْبَعُ الفُیُوض حامد آباد کی بنیاد رکھی۔ اچھے ذِی اِسْتِعْدَاد (ہونہار) طُلَبَہ تع
کے لئے جمع ہو گئے۔ ایک دن ہم صبح کو نماز پڑھ کر بیٹھے تو ایک نوجوان آیا۔ میری حیرت کی انتہا نہ رہی کہ یہ مولانا ہزاروی ہیں یہاں جنگل ویران علاقہ میں ک

پہوچے۔اِسْتِفسَار(پوچھنے)پر فرمایا کہ حضرت علامہ غلام رسول صاحب مد ظلہ نے بھیجا ہے کہ آپ نئے سال میں ان کے ساتھ ان کی زیر نگرانی تدریس کا کام ا
دیں۔ فقیر نے معذرت کردی ہے،آج انہیں مہمان ٹھہرایا ہے۔۔۔کل انہیں رخصت کریں گے۔

هزاروی صاحب کے ایثار کی وجه: علامہ ہزاروی صاحب کا حامد آباد جیسے ویران علاقہ میں پہونچنا ایثار ہی ہے کیونکہ حامد آباد ایک گمنام
ایک بے نام ونشان بستی ہے جسے خود اَہلِ علاقہ بھی نہیں جانتے کہ حامد آباد بھی کوئی جگہ ہے۔اس لئے کہ یہ فقیر کی پیدائشی بستی ہے اسے اہل علاقہ بہابی لاڑا
کے نام سے جانتے ہیں۔اس لئے کہ اس بستی کے لوگوں کے مورِث اعلیٰ کا نام عبدالوہاب ہے جو دیہاتی زبان میں وہاب سے بہاب بن گیا اور یائے نسبت
۔فقیر نے مدرسہ کی بنیاد رکھنے سے قبل اس کا حضرت حجۃ الاسلام علامہ حامد رضا خان ابن مجدد دین وملت اعلی حضرت امام احمد رضا محدث بریلوی اور اپنے د
مولانا محمد حامد اویسی کے نام سے منسوب کیا اور فیصل آباد دوران تعلیم اپنا مسْکَن (جائے سکونت)یہی بتاتا۔ مفتی ہزاروی صاحب کا پہونچنا کرامت سے کم نہیں
طالب علمی کی ایثار وہمدردی کی اعلیٰ مثال ہے کہ حضرت علامہ شیخ الحدیث مولانا غلام رسول صاحب رحمۃاللہ علیہ کا حکم لے کر چل پڑے۔ فقیر فیصل آباد
بہاولپوری مشہور تھا لیکن مسکن حامد آباد کے لئے ٹرین کے سفر کے لئے لیاقت پور اسٹیشن بتاتا۔علامہ ہزاروی صاحب نے لیاقت پور پہونچ کر باہر آکر پوچھا
حامد آباد جانا ہے۔لوگوں نے کہا حامد آباد تو کوئی جگہ نہیں اِلٰہ آباد ہے۔ علامہ ہزاروی صاحب کی یہ فَراست (دانائی) ہی سمجھئے کہ فرمایا کہ : چلو اِلٰہ آباد ہی پہونچ
۔اِلٰہ آباد پہونچ کر پوچھا کہ میں نے مولوی فیض احمد اویسی کے ہاں جانا ہے۔ فقیر ایک گمنام گوشہ نشین (خلوت نشین) ہے اسے اہل اِلٰہ آباد کیا جانیں جب کہ یہ
فقیر کا مسکن دس بارہ میل ایک ویران علاقہ میں ہے۔ہزاروی صاحب کی یہ بھی فَراست ہے کہ لوگوں سے کہا کہ یہاں کے بڑے مولوی سے ملاؤ کیونکہ

مولوی رامولوی میشناسد(مولوی کو مولوی ہی جانتا ہے)۔لوگوں نے علامہ ہزاروی صاحب کو مولوی موسیٰ دیوبندی کے پاس پہونچادیا کیونکہ اس وقت اللہ آ
شہر ہی زیادہ مشہور تھا۔یہ تھا تو دیوبندی لیکن فقیر کو جانتا تھا اس لئے جب فقیر استاذ العلماء علامہ عبدالکریم صاحب اعوان رحمۃاللہ علیہ کے ہاں پڑھتا تھا
کا مدرسہ بستی اعوان،اللہ آباد کے تین میل مغرب کو واقع تھا۔ فقیر طالب علمی سے ہی بد مذاہب کے چھیڑنے کا عادی تھا یہ مولوی عیسیٰ اللہ آباد میں فتویٰ نو
کرتا تھا۔اس کے بعض فتاویٰ فقیر کی نظر سے گذرتے تو اس کے غلط فتاویٰ کی بھرپور تردید کرتا اور وہ فقیر سے سخت نالاں (تنگ) تھا۔اسی تَعارف سے علا
ہزاروی کو کہا کہ : مولوی فیض احمد اویسی کا نام تو میں جانتا ہوں لیکن اس کے مسکن کا علم نہیں۔اس نے فقیر کے استاذ علامہ عبدالکریم صاحب اعوان کا بتایا تو علا
ہزاروی فقیر کے استاذ صاحب کے ہاں حاضر ہوئے۔انہوں نے ہی کسی ذریعہ سے فقیر کے ہاں پہونچادیا۔

تعارف حامد آباد: مفتی ہزاروی صاحب کا حامد آباد پہونچنا ایک بڑا جہاد ہے اس لئے حامد آباد گاڑی کی لائن سے اٹھارہ میل اور جرنیلی سڑک سے دو م
دور۔اور اس کے گردونَواح (اطراف) میں جنگل ہی جنگل۔ لیکن الحمدللہ فقیر کے مدرسہ کے اِفْتِتاح (آغاز) کے بعد بڑے بڑے فُضَلَاء زیرِ تعلیم رہے جو اس وق
مختلف مدارس میں شیخ الحدیث ، شیخ القران ، مفتی، مقرِّر، خطیب شُعلہ بیان اور اہلِ قلم بلکہ سب کچھ ہیں۔۱۹۵۲ء سے ۱۹۶۷ء تک مسلسل فقیر نے یہ
پڑھایا۔۱۹۶۷ء میں بہاولپور قلبِ مکانی یعنی ہجرت کی۔

فقیر اویسی غُفِرلہٗ کا ایثار: فقیر نے حامد آباد میں ۱۹۵۲ء میں تعلیمی وتدریسی کام شروع کیا لیکن کبھی تبلیغ کے لئے باہر بھی چلا جاتا۔ایک عل
خانپور کٹورہ میں جانا ہوا۔ بعدِ فَراغَت اَز تقریر (تقریر سے فارغ ہونے کے بعد) معلوم ہوا کہ حضرت مولانا غلام نازک بن بلبل باغ فرید حضرت مولانا محمد یار (رحمۃ اللہ ع
اسٹیشن خانپور پر اُتریں گے۔ فقیر کو بزرگوں کی زیارت کی طالبعلمی سے عادت تھی۔اسٹیشن خانپور (کٹورہ) پہونچا تو مولانا صاحب پلیٹ فارم پر ایک خادم کے سا

ھڑے ہیں۔ان کے سامان کے دو بڑے نگ ہیں جہیں پلیٹ فارم لے باہر لے جانا ہے۔ حضیر اس دور میں سرخ فریدی رومال کاندھے پر رکھتا تھا۔انہوں
مجھے اپنا مرید یا کم از کم حضرت خواجہ غلام فرید کے حلقہ فریدی سے منسلک سمجھ کر فرمایا مولوی ایک نگ آپ اٹھالیں دوسرا میرا خادم۔ فقیر نے بلِا تامل (بغیر کئے) نگ اٹھایا اور پلیٹ فارم سے باہر تانگہ پر رکھ کر الوداع کہہ کر اپنے گاؤں چلا گیا۔

حضرت مولانا غلام نازک صاحب جونہی قیام گاہ میں پہونچے تو باتوں باتوں میں فقیر کا ذکر آ گیا۔ خانپور کے معززین نے فقیر کا تعارف نہایت احسن طریق
کرایا ان میں ایک یہ بھی ہے کہ اس وقت علاقہ میں اہلسنّت کا ایک یہی دارالعلوم ہے جس میں درسِ نظامی کی تعلیم محنت سے ہو رہی ہے اور مُنتہی (علم وہنر کامل) طلبہ زیرِ تعلیم ہیں۔ حضرت سراج الحفّاظ علامہ حافظ سراج احمد صاحب (خانپور) کے صاحبزادہ مولانا مختار احمد دُرّانی بھی یہاں زیرِ تدریس ہیں۔

حضرت مولانا غلام نازک صاحب رحمۃ اللہ علیہ فقیر کی سادگی اور ایثار سے ایسے متاثِر ہوئے کہ اپنے دو صاحبزادگان مولانا غلام فخر الدین و مولانا غا
نظام الدین کو گڑھی اختیار خان سے کار پر بٹھا کر حامد آباد کے دارالعلوم میں تعلیم کے لئے چھوڑا اور وہ کافی عرصہ فقیر کے ہاں زیرِ تعلیم رہے اور حضرت مو
غلام نازک صاحب (رحمۃ اللہ علیہ) باوجودیکہ عام جلسوں میں بہت کم شرکت فرماتے لیکن فقیر سے شفقت فرماتے ہوئے فقیر کے دارالعلوم کے جلسہ میں اَ
دفعہ تشریف لائے اور زندگی بھر فقیر کے ساتھ بزرگانہ شفقت فرماتے رہے۔ان کے چھوٹے صاحبزادہ غلام قُطب الدین کم عمر تھے لیکن بعد کو اپنے بھائیو
کے اُنس سے ایک سبق فقیر سے پڑھ ہی لیا۔

فائدہ: یہ طویل (لمبی) داستان فقیر نے اس لئے پیش کی ہے تاکہ عوامِ اہلِ اسلام کو ایثار و ہمدردی کی اہمیت ذہنوں میں مرکوز (بیٹھا) ہو۔

افسوس صد افسوس! اتنے گہرے تعلقات کے باوجود غلام قطب الدین دَرسی کُتُب سے فارغ ہوا پھر وہ اپنے باپ دادا کے مُصلّٰی کا جانشین ہوا لیکن
افسوس کہ وہ اپنے خاندانی ادب و نیاز مندیٔ اولیاء سے محروم (نامراد) ہو گیا اس وقت وہ طاہر القادری کا دایاں ہاتھ بنا پھرتا ہے اور حضور غوث اعظم سیدنا
عبدالقادر جیلانی رضی اللہ عنہ کے خلاف زہریلی کتاب "اقوال الاکابر" پر تقریظ لکھ ماری۔ آگاہ کرنے کے باوجود بضد ہے۔ کاش آج بُلبُلِ باغِ فرید حضرت مو
محمد یار گڑھی اختیار زندہ ہوتے پھر میں دیکھتا کہ قطب الدین کس طرح گستاخوں کے ساتھ رشتہ جوڑتا۔ حضرت مولانا محمد یار رحمۃ اللہ علیہ کا یہ حال تھا کہ جو
حضور غوث اعظم رضی اللہ عنہ کا نام سنتے ادب سے اتنا سر جھکاتے کہ چہرہ زمین کو مَس کرتا (چہرہ زمین کو چھو جاتا) اور یہ ناخَلف (نافرمان) کا حال ہے کہ غوث اعظم رضی
اللہ عنہ کے سب سے بڑے گستاخِ زمانہ کی تائید و تصدیق کر رہا ہے اور دوسری طرف طاہر القادری کے ہاتھ مضبوط کر رہا ہے۔

عجب رنگ ہیں زمانے کے

نوشیروان کا ایثار: تاریخ شاہد (گواہ) ہے کہ نوشیروان نے ایک ایسا عالی شان، پُر شکوہ اور پُر جلال محل تعمیر کیا اور اس کی تزئین و آرائش اس طور پر
گئی کہ دنیا میں کسی نے دیکھی نہ سنی۔ محل مکمل ہوا تو بادشاہ کو اس امر کی اطلاع دی گئی۔ وہ مصاحبوں (ہم نشینوں) اور وزیروں کے ہمراہ محل پہنچا۔ وہ اس کے اَ
ایک گوشے کو نگاہِ حیرت اور احساسِ مسرت سے دیکھنے میں مگن تھا کہ اچانک اس نے اپنے مقرّبین (قریبی لوگوں) سے پوچھا: آپ لوگوں کا خیال ہے! اس محل
میں کوئی خامی تو باقی نہیں رہ گئی۔

سب نے یک زبان ہو کر کہا بادشاہ سلامت! ربِ کائنات آپ کا اِقبال ہمیشہ بلند رکھے۔ یہ محل تو ایسا ہے کہ چشمِ فلک نے آج تک اس جیسا نہیں د

ہو گا۔اس کی رَعْنَائی(خوبصورتی)وزَیْبَائی(تزئین وآرائش) آنکھوں کو خِیرہ(حیرت زدہ)اور دل ودماغ کو مُعَطَّر(خوشبودار)و مُنَوَّر(درخشاں) کئے دیتی ہے۔ مگر عالی پناہ! اس

ایک نُقص(خامی)ضرور ہے وہ یہ کہ اس کے ایک کونے میں ایک جھونپڑی ہے جس کے رَوزَن(روشن دان) سے صبح وشام دھواں نکل کر محل کے ایوانوں کو گ

کررہا ہے اس جھونپڑی کو یہاں سے ختم کردیا جائے تو پھر یہ محل بالکل بے داغ اور بے نقص ہو جائے گا۔ بادشاہ کچھ دیر خاموش رہا..... پھر اس نے

سُکُوت(خاموشی کو)توڑا تو بولا: صاحبو! یہ جھونپڑی ایک بڑھیا کی ہے جس نے اپنی تمام عمر اسی میں بسر کی ہے اب وہ قبر میں پاؤں لٹکائے بیٹھی ہے۔ میں نے ا

محل کی تعمیر کی ابتدا کے وقت اس بڑھیا کو کہلا بھیجا تھا کہ جھونپڑی کی یہ جگہ میرے ہاتھ بیچ دے اور منہ مانگی قیمت لے لے۔ اگر یہ بات اسے منظور نہیں تو میر

پوری سلطنت میں جہاں کہیں بھی وہ چاہے اور جس قسم کا بھی اعلیٰ مکان چاہے اس میں اپنا ڈیرہ جمالے۔ بادشاہ نے اپنی بات جاری رکھتے ہوئے کہا مگر میری ا

پیش کش کا بڑھیا نے یہ جواب دیا کہ اے حاکمِ وقت! یہ جگہ میری ملکیت ہے میں یہیں پیدا ہوئی اور یہی مروں گی یہ جیسی بھی ہے لیکن میں اس سے مانُو

(خوگر)ہو گئی ہوں۔ میں جب یہ دیکھ کر تیرے پاس اتنا بڑا ملک ہے برا نہیں مناتی اور تجھے کسی اور جگہ بنانے کو نہیں کہتی تو پھر تُو اس غریب بڑھیا کی کٹیا کو د

گوارا(پسند) کیوں نہیں کرتا۔

بڑھیا کی اس بات نے مجھے از حد متاثر کیا اور میں خاموش ہو گیا حتیٰ کہ محل تعمیر کے مراحل سے ہوتا ہوا تکمیل تک پہنچ گیا۔ بادشاہ نے مزید بتایا کہ ا

جو اس بڑھیا کی کٹیا سے دھواں نکل کر محل کو داغدار کرنے لگا تو میں نے پھر اسے پیغام بھیجا کہ اے بڑھیا! دھواں کیوں نکلتی ہے؟

کہنے لگی کھانا پکاتی ہوں۔ میں نے اس کے لئے بھنے مرغ اور اعلیٰ پکوان بھیجے اور کہلا بھیجا کہ اے اماں! میں روزانہ تجھے قِسم قِسم(طرح طرح) کے کھانے بھ

رہوں گا تو اپنی جھونپڑی میں آگ جلانا چھوڑ دے۔ میرے ان کھانوں کو بڑھیا نے یہ کہہ کر واپس کر دیا کہ اے بادشاہ! ملک میں کتنے لوگ فاقہ زدہ(بھوک

مارے)ہیں اور سوکھی روٹی کے ایک نِوالے کو ترس رہے ہیں اور میں بھُنے ہوئے مرغ کھاؤں یہ کہاں کا اِنصاف ہے۔

ربِ ذوالجلال سے ڈرتی ہوں کہ ۷۰ سال تک جو کی روٹی کھائی اور اب آخری عمر میں بھنے ہوئے مرغ کھاؤں۔ بڑھیا نے مزید کہا اے بادشاہ! میر

کٹیا کو قائم رہنے دے کیونکہ یہ تیرے عدل کی گواہی دے گی۔ اُمراء حاکم جب یہ دیکھیں گے کہ تو نے ایک غریب بڑھیا کی جھونپڑی پر ہاتھ ڈالنا پسند نہیں ک

وہ بھی رعایا کی اَملاک(ملکیت) پر قبضے سے باز رہیں گے۔ نیز محل اس ناپائیدار دنیا میں ایک عرصہ کے بعد ویران ہو جائے گا مگر میری کٹیا کی کہانی تیرے عدل

شہادت قیامت تک دیتی رہے گی۔ بادشاہ نے اپنے مصاحبین کو مزید بتایا کہ مجھے بڑھیا کی یہ بات بہت پسند آئی اور یوں میں نے بڑھیا کی کٹیا کو یہیں رہنے دیا تا

تاریخ میں یاد رکھا جائے گا کہ نوشیروان بادشاہ اور غریب بڑھیا آپس میں قریبی ہمسائے تھے۔ (52)

سلطان شیر شاہ سوری رحمۃ اللّٰہ علیہ کا ایثار: ایک دن شام کے وقت سلطان سوری رحمۃ اللہ علیہ حکومت کے قاضی القضاۃ(چ

جسٹس)مولانا رفیع الدین کے ساتھ مسجد سے باہر نکلا۔ جب سڑک پر آئے تو سامنے سے فیلِ مَست(مست ہاتھی) آتا ہوا دکھائی دیا۔ یہ دیکھ کر مولانا مرحوم شیر شاہ

[52] (احكام التاريخ المعروف محبوب السلاطين، 1/32 تا 33، مطبع نامي روكش، 1983م)

اُٹھ کے چلنے لگے مگر شیر شاہ نے یہ کہہ کر انہیں اپنے پیچھے رکھا اور کہا حضرت مولانا اگر کسی نے مجھے مار ڈالے گا تو کئی سردار میری جانشینی کی اہلیت رکھتے ہیں لیکن ا
آپ کو گزند(نقصان) پہونچ گیا تو میری ساری مملکت میں دوسرا مولانا رفیع الدین نہیں ہے۔

خاتمہ: انسان کو ایثار و ہمدردی سے مانع(روکنے والا) یا تو اپنا نفس ہے یا حُبِّ دنیا(دنیا کی محبت)، نفس کا مقابلہ تو ایک سخت و دشوار کام ہے۔ بہت بڑے بڑے او
کرام اس کے مقابلے سے تھرّاتے(کانپتے) ہیں۔ اعلیٰ حضرت امام احمد رضا فاضل بریلوی رحمۃاللہ علیہ فرماتے ہیں:

سونا جنگل رات اندھیری چھائی بدلی کالی ہے
سونے والو جاگتے رہیو چوروں کی رکھوالی ہے

آنکھ سے کاجل صاف چُرالیں یاں وہ چور بلا کے ہیں
تیری گٹھری تاکی ہے اور تو نے نیند نکالی ہے

یہ جو تجھ کو بلاتا ہے یہ ٹھگ ہے مار ہی رکھے گا
ہائے مسافر دم میں نہ آنا مت کیسی متوالی ہے

سونا پاس ہے سونا بن ہے سونا زہر ہے اٹھ پیارے
تو کہتا ہے میٹھی نیند ہے تیری مت ہی نرالی ہے

جگنو چمکے پتا کھڑکے مجھ تنہا کا دل دھڑکے
ڈر سمجھالے کون پَوَن ہے یا آگیا بے تالی ہے

بادل گرجے بجلی تڑپے دھک سے کلیجہ ہو جائے
بن میں گھٹا کی بھیانک صورت کیسی کالی کالی ہے

ساتھی ساتھی کہہ کے پکاروں ساتھی ہو تو جواب آئے
پھر جھنجھلا کر سر دے پٹکوں چل رے مولا والی ہے

ان اشعار کی شرح کے لئے فقیر کی "شرح حدائق" پڑھئے۔

حُبِّ دنیا تو "راس کل خطیہ" ہے بہت بڑے جگر گردہ کا کام ہے۔ کئی لوگ اس میں ایسے پھنسے کہ اس سے جان چھڑانا مشکل ہو گیا صرف ایک وا
حاضر ہے۔

ثعلبہ کا واقعہ: تفاسیر میں ہے کہ ثعلبہ بن حاطب انصاری نے آنحضرت (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) سے عرض کیا "دعا کیجئے! اللہ تعالیٰ مجھے مال فرمائے۔" آنحضرت (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا۔ "ثعلبہ! تھوڑا مال جس کا شکر ادا کر سکو اس زیادہ سے بہتر ہے جس کی تجھے طاقت نہ ہو" اس نے دوبارہ یہی درخواس کی۔ آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا "کیا تجھے یہ پسند نہیں کہ تیری حالت نبیُ اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی سی ہو۔ اس ذات کی قسم جس کے قبضہ میں میری جان ہے اگر میں چاہتا کہ پ میرے ساتھ سونا اور چاندی بن کر چلیں تو چلنے لگتے۔" اس نے کہا۔ اگر آپ دعا کر دیں کہ اللہ تعالیٰ مجھے عطا فرمائے تو میں ہر حقدار کا حق ادا کروں گا۔ آنحضر (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے دعا فرمائی۔ "اے اللہ! ثعلبہ کو مال دے۔" اس نے کچھ بکریاں لیں وہ کیڑوں کی طرح بڑھنا شروع ہوئیں۔ مدینہ طیبہ میں اسے رہائش کی تنگی محسوس ہوئی۔ مدینہ طیبہ سے کچھ فاصلہ پر ایک میدان میں ڈیرے ڈال دئے، پہلے تمام نمازیں باجماعت مسجد نبوی میں ادا کیا کرتا تھا، اب ظہر اور عصر کے آتا۔ باقی نمازوں میں جماعت سے غیر حاضر رہنے لگا۔ بکریوں میں مزید اضافہ ہوا تو اس سے بھی زیادہ فاصلہ پر رہائش اختیار کرلی۔ اس کی بکریاں مکوڑوں طرح بڑھ رہی تھیں۔ اب اس نے جمعہ کی حاضری کو بھی خَیر آباد(الوداع) کہا۔ البتہ جمعہ کے لئے آتے جاتے لوگوں سے مل کر حالات دریافت کر کرتا۔ آنحضرت (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے ایک دن دریافت فرمایا کہ "ثعلبہ کو کیا ہوا؟" عرض کیا گیا یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم)! اس نے بکریاں لی تھیں جگہ کی تنگی کی وجہ سے

چلا لیااور اس کا پورا قصہ عرض لیا لیا۔ یہ سن کر اپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے تین دفعہ فرمایا: "یا ویح تعلبہ" "ہائے ثعلبہ کی ہلاکت" ۔اسی دوران میں آیت خذ مِ اَمْوَالِهِمْ صَدَقَةً[53] نازل ہوئی۔ اور آنحضرت (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) پر فَرائِض صدقہ زکوٰۃ کی معین مَقادِیر (مقدار) نازل ہوئیں۔ آنحضرت (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے صدقات وصولی پر ہر دو شخصوں کو مامور (متعین) فرمایا۔ ایک کا تعلق قبیلۂ بنی جہینہ سے تھااور دوسرے کا بنی سلیم سے۔ آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے ان دونوں صاحبوں کو ایک خط دیا۔ جس میں زکوٰۃ کی وصولی کی کیفیت بیان تھی یعنی کتنے مال پر کتنا صدقہ وصول کیا جائے گااور کیسے مویشی زکوٰۃ میں لئے جائیں اور کیسے نہ جائیں۔ اور آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے ان دونوں صاحبوں سے فرمایا۔ "ثعلبہ کے پاس جاؤاور بنی سلیم کے فلاں آدمی کے پاس۔ ان سے صدقہ وصول کر لاؤ۔" یہ دونو شخص حسبِ ارشاد نبوی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) ثعلبہ کے پاس آئے اور اس سے صدقہ کا مطالبہ کیااور اسے آنحضرت (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کا نامۂ مبارک (خط) دکھایا اس نے کہا:

"یہ تو محض ٹیکس (جزیہ) ہے یہ تو ٹیکس کی بہن ہے اچھا تم جاؤ فارغ ہو کر میرے پاس آنا۔"

یہ اب بنی سلیم کے آدمی کے پاس گئے۔ سلیمی صاحب کو کسی ذریعے سے پہلے ہی ان کے آنے کی اطلاع ہو چکی تھی چنانچہ اس نے بہترین اونٹ چھانٹ کر زکوٰۃ کے لئے الگ کئے پھر ان کا بڑی تکریم سے اِستِقبال کیااور یہ اونٹ پیش کئے۔ انہوں نے کہا کہ یہ قیمتی اونٹ نہ تم پر واجب ہیں نہ ہم ان کی وصولی کے ہیں۔ اس نے کہا آپ کو یہی اونٹ لینے ہوں گے اس لئے کہ یہ اونٹ آپ مجھ سے زبردستی وصول نہیں کر رہے بلکہ میرا مال ہے میں خوشِ دلی سے پ کرتا ہوں۔ الغرض ان دونوں کو یہ اونٹ لے لینے پر راضی ہونا پڑا۔ وہاں سے فارغ ہو کر ثعلبہ کے پاس دوبارہ آئے۔ ثعلبہ نے کہا مجھے اپنا خط دکھاؤ۔ خط دیکھ کہنے لگا یہ زکوٰۃ ٹیکس کی ہی بہن ہوئی، اچھا تم جاؤ میں اس معاملہ میں غور کروں گا۔

یہ دونوں صاحب بارگاہِ نبوی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) میں حاضر ہوئے۔ آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے ان کو دیکھتے ہی کسی قسم کی گفتگو کئے بغیر فرمایا: یاویح ثعلبہ، یعنی "ثع ہلاک ہوا"۔ اور سلیمی صاحب کے لئے دعائے برکت فرمائی۔ آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کو بذریعۂ وحی اطلاع ہو چکی تھی۔ ان صاحبان نے ثعلبہ اور سلیمی کا پورا قصہ اور ادھر اللہ تعالیٰ نے ثعلبہ کے حق میں آیات نازل فرمائیں۔

اس موقع پر آنحضرت (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے پاس ثعلبہ کا کوئی عزیز قریب ہی موجود تھا اس نے جب یہ آیتیں سنیں تو ثعلبہ کے پاس گیااور کہا تو برباد ہوا۔ اللہ تعالیٰ تیرے بارے میں یہ آیتیں نازل فرمائیں۔ ثعلبہ (بدنامی سے گھبرایا ہوا) آنحضرت (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی خدمت میں حاضر ہوااور درخواست کی کہ اس کا صدقہ قبول کیا جا آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا۔ "اللہ تعالیٰ نے تیرے صدقہ کے قبول کرنے سے مجھے منع فرمادیا"۔ یہ سن کر سر میں خاک (مٹی) ڈالنے لگا۔ آنحضرت (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فر یہ تیرا اپنا کردار ہے۔ میں نے تجھے حکم دیا تھا لیکن تو نے میرا کہانہ مانا۔ جب آنحضرت (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے صدقہ لینے سے انکار کر دیا تو یہ شخص اپنے گھر جا بیٹھا۔ آنحضر (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے تاحینِ حیات (جب تک ظاہری طور پر حیات رہیں) اس کا صدقہ قبول نہ فرمایا۔ پھر ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے دورِ خلافت میں حاضر ہوااور کہا آپ جا ہیں آنحضرت (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے نزدیک میری کتنی منزِلَت (عزت) تھی اور انصار میں میرا کتنا مرتبہ ہے میرا صدقہ قبول کیجئے۔ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کہا۔ آنحضرت (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے قبول نہیں فرمایا میں قبول کر لوں؟ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے بھی تمام دورِ خلافت میں اس کا صدقہ قبول نہیں فر

---

[53] سورۃ التوبۃ : 103 خُذْ مِنْ اَمْوَالِهِمْ صَدَقَةً تُطَهِّرُهُمْ وَتُزَكِّيهِمْ بِهَا وَصَلِّ عَلَيْهِمْ اِنَّ صَلٰوتَكَ سَكَنٌ لَّهُمْ وَاللّٰهُ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ

ترجمہ: اے محبوب ان کے مال میں سے زکوٰۃ تحصیل (وصول) کرو جس سے تم انہیں ستھرا اور پاکیزہ کردو اور ان کے حق مے دعائے خیر کرو بے شک تمہاری دعا ان کے دلوں کا چین ہے اور اللہ سنتا جانتا ہے۔

۔حضرت عمر رضی اللہ عنہ خلیفہ ہوئے تو یہ آپ کی خدمت میں آیا اور کہا میرا صدقہ قبول کیجئے۔آپ نے فرمایانہ آحضرت (ﷺ) نے قبول فرمایانہ حضر
ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے میں بھی قبول نہیں کر سکتا۔آپ نے بھی تمام عمر قبول نہ کیا۔جب حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ مسندِ خلافت پر رونق افر
ہوئے تو ان کی خلافت میں بھی درخواست کی۔آپ نے فرمایانہ آنحضرت (ﷺ) نے یہ صدقہ قبول فرمایانہ ابو بکر نے نہ عمر نے (رضوان اللہ علیہما) اس لئے میں
قبول نہ کروں گا۔چنانچہ آپ نے بھی قبول نہ کیا اور حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے دورِ خلافت میں یہ واصلِ جہنم ہوا۔[54] (تفسیر ابن جریر،ج۱۰صفحہ ۲،روح الب
وروح المعانی وغیرہ)

انتباہ: مال کی فراوانی (کثرت) کی طلب کا مرض انسان کو قدیم (ایک عرصۂ دراز) سے رہا ہے لیکن آج "ترقی" کے خوش کن عنوان سے جُوعُ البَقَر (گا
بھوک) کی حیثیت اختیار کر گیا ہے۔آج اسی ترقی زر و مال (مال و دولت کی ترقی) کے لئے دینی تحریف (تغیر و تبدل) کو واجب ٹھہرایا جانے لگا ہے۔

خلاصہ یہ کہ ایثار بمعنی اپنی ضرورت کے باوجود دوسرے کی ضرورت کو ترجیح دینا اور یہ حضور نبی پاک (ﷺ) کے بعد اُمتِ مصطفی (ﷺ) میں صح
کرام میں بِطریقِ اَتم و اَکمل پایا جاتا تھا۔ہر شعبہ میں ان کا ایثار مشہور و معروف ہے بالخصوص موَاخَات (بھائی چارہ) میں ایسا ایثار کا مظاہرہ کیا کہ جس انصاری صح
کے پاس دو عورتیں تھیں تو اس نے ایک عورت کو طلاق دے کر مہاجر ساتھی کے نکاح میں دیدی۔

فقیر نے بطور نمونہ ہر شعبہ کے حضرات کے واقعات پیش کئے ہیں تاکہ اہل اسلام کسی بھی شعبہ سے متعلق بزرگ کے واقعہ سے متاثر ہو کر ایثار ج
اَخلاق سے خود کو مزیّن (آراستہ) کر سکیں۔مولیٰ عزوجل سے دعا ہے کہ فقیر کی یہ کاوِش قبول فرما کر آخرت کا توشہ (توشۂ آخرت) بنائے اور ناشرین کو ان کی مح
کا صلہ،دارین کی فلاح و بہبود عطا فرمائے اور عوامِ اہلِ اسلام کے لئے مشعلِ راہِ ہدایت بنائے (آمین)۔

بجاہ حبیبہ سید المرسلین صلی اللّٰہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ اجمعین

مدینے کا بھکاری

الفقیر القادری ابو الصالح محمد فیض احمد اُویسی رضوی غفرلہٗ

[54] (روح البیان، سورۃ التوبۃ تحت آیت 75، 3/ 469 الی 470، دار الفکر بیروت)